فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو ''دین الحق'' اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے اسے قرآن مجید میں اسلام کے نام سے معین کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا دین اسلام ہے''

اس دین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾

''اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ'' دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کے لئے ہر انسان/مسلمان کو جاننا چاہئے کہ اس کی زندگی کے وہ کون کون سے گوشے ہیں جن میں اسے اسلام کے مطابق عمل پیرا ہونا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ انسان لاعلمی میں اپنی زندگی کے ایک پہلو ہی کو سارا دین سمجھ لیتا ہے اور اس میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی سختی سے کرتا ہے لیکن اس کی زندگی کے دوسرے گوشے دین سے بالکل باہر ہوتے ہیں جبکہ اسے مغالطہ رہتا ہے کہ وہ دین اسلام کے تمام تقاضے پورے کر رہا ہے۔ انسانی زندگی دو پہلوؤں سے عبارت ہے:

(ا) انفرادی زندگی

(ب) اجتماعی زندگی

انفرادی زندگی کے تین گوشے ہیں جبکہ اجتماعی زندگی بھی تین گوشوں پر مشتمل ہے۔ انفرادی زندگی کے تین گوشے یہ ہیں:

1- عقائد یا ایمانیات

انسانی زندگی میں سب سے اہم اور بنیادی گوشہ تو اس کے زندگی کے بارے میں تصور کا ہے کہ وہ اس کائنات کے حقائق سے بھی باخبر ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور انسان میں ودیعت کی گئی استعدادات کے مطابق ان حقائق کو ماننے کا نام ہی ایمان ہے۔

دین اسلام میں تین بڑے بڑے ایمانیات ہیں، جو اس کائنات اور زندگی کے بارے میں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ یعنی ایمان باللہ بمع ایمان بالقدر جو ایمان باللہ ہی کا جزو ہے۔ ایمان بالرسالت جس کے اجزاء ایمان بالملٰئکۃ ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل ہیں۔ تیسرا ایمان آخرت کے بارے میں ان تفاصیل پر مشتمل ہے جو قرآن وحدیث میں بڑے واضح انداز میں بیان ہوئی ہیں۔

2- عبادات

اس ایمان کے اظہار کے لئے مراسم عبودیت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کے لئے مقرر کی ہیں اور جن کا خاکہ اور صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ سے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے۔ یعنی عبادات۔ نماز اور اس کا طریقہ، زکوٰۃ اور اس کے اصول، روزہ اور اس کے ضوابط اور حج اور اس کے مناسک۔

3- رسومات

انسانوں کو زمین پر بسانے اور ان کو ایک دوسرے سے متعلق کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کنبوں، قبیلوں اور قوموں کی تقسیم انسان کو سمجھا دی جو آپس کے تعلقات اور روابط کی بنیاد ہے۔ چنانچہ ان تعلقات کی بنیاد پر خوشی اور غم کے موقعوں پر رسومات کی ادائیگی بھی دین ہی کا جزو قرار پائی اور اس کے لئے صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے طریقے معین کئے اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے سنت قرار پائے۔

انسانی زندگی کے یہ تین گوشے اگرچہ ہر فرد کا معاملہ ہے لیکن ان میں بھی اجتماعیت کو فروغ دیا گیا ہے اور ہر مسلمان کو اجتماعیت کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ اگلے تین گوشے تو ہیں ہی اجتماعی زندگی سے متعلق۔

4- معاشرت

انسانوں کی معاشرت، تہذیب اور سماج کے لئے لازم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق پروان چڑھے تا کہ ان کی خاندانی زندگی میں خرابی پیدا نہ ہو۔

5- معاشیات

اسی طرح انسانوں کے باہم لین دین کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دے دی تا کہ کسی پر اجتماعی معاملات میں ظلم نہ ہو اور ہر انسان اپنے حق پر ہی اکتفا کرے۔ یہی وہ معاشی نظام ہے جو ہماری زندگی کا پانچواں گوشہ ہے۔

6- سیاسیات

چھٹا اور اجتماعی زندگی کا سب سے کٹھن اور مشکل گوشہ انسانوں کی سیاسی حیثیت کا تعین ہے کہ انسان غفلت میں اپنے مالک حقیقی کا بندہ بننے کی بجائے خود اپنی کبریائی کا دعویدار بن بیٹھتا ہے اور باقی اللہ کے بندوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے بہترین اُسوہ چھوڑا ہے اور واقعی انسانیت کے لئے حق خیر خواہی ادا کیا ہے تا کہ انسان اسے مشعل راہ بنائے۔

اگلے صفحات میں انسانی زندگی کے انہی گوشوں کے بارے میں اختصار کے ساتھ ان حقائق کو بیان کیا جا رہا ہے جو ہر مسلمان کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس سے آگاہی حاصل کرے اور پھر ان میں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے تقاضے اس پر عائد ہوں ان کو ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

پہلا گوشہ

ایمانیات ثلاثہ

اصل حاصل اور باہمی تعلق

ایمان باللّٰہ

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ﴾ (البقرہ: ۲۸۵)

لفظی معنی:

ایمان امن سے مشتق ہے یعنی امن سے بنا ہے اور اس کا حاصل بھی انسان کا داخلی امن ہے، یعنی تسکین قلبی۔ ایمان اصل میں اس کائنات کے حقائق کے علم کا نام ہے یعنی یہ کائنات کس نے پیدا کی ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ اسکا انجام کیا ہونے والا ہے۔ ایمان دو اجزاء ترکیبی کا مجموعہ ہے۔ (ا) نورِ فطرت اور (۲) نورِ وحی۔

نورفطرت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح میں نورفطرت ودیعت کیا ہے۔ یعنی اسے یہ شعور دے کر بھیجا ہے کہ اس کا رب اللہ ہے اور اسے اپنے رب کی اطاعت اختیار کرنا ہے۔ نورِ وحی آ کر انسان کے اس شعور کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس کی تفاصیل بھی بتاتا ہے اور آیات اَنفسی و آیات آفاقی کے ذریعے وہ یقین پیدا کر دیتا ہے جو تسکین قلبی کے لئے ضروری ہے۔

نوروحی:

انسان کی تذکیر کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا، وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تم نہ تو قرآن کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ (اے محمد ﷺ) سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔''

اصطلاحی ایمان:

"تَصْدِيقٌ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (اس شے کی تصدیق کرنا جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں)

بنیادی طور پر ایمان کی تین شاخیں ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ۔

(۱) ایمان باللہ:

علمی و نظری لحاظ سے اصل ایمان، ایمان باللہ ہی ہے اور ایمان بالقدر بھی اسی کا حصہ ہے۔ جب ایمان کی اجمالاً تشریح کی جائے گی تو صرف اسی ایمان کا ذکر آئے گا۔ چنانچہ "ایمان مجمل" کے الفاظ ہیں:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

یعنی "میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماءِ حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہے، اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے، زبان سے گواہی دے کر اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔" یہی ایمان انسان کی زندگی کا مقصد معین کرتا ہے اور اسے وہ روشنی عطا کرتا ہے کہ جس سے کائنات کی تمام ظلمات اور پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں۔

﴿اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (النور: ۳۵)

پھر اس کا معاملہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جو راہِ مستقیم پر گامزن ہو۔ جیسے سورۃ الملک میں فرمایا گیا:

﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (آیت ۲۲)

"بھلا وہ شخص جو اپنے چہرے کے بل گھسٹ رہا ہو وہ راہ یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ایک سیدھی راہ پر گامزن ہو؟"

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اللہ کا ماننا وہی معتبر اور کارآمد ہے جو اس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہو۔ وگرنہ صرف یہ جان لینا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس نے اس کو پیدا کیا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ بات تو چاروناچار ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے اور دنیا کے تمام فلاسفہ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کارخانہ لامتناہی کے لئے کوئی علت العلل ناگزیر ہے۔ تاہم ان کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اب یہ کائنات خود بخود کام کر رہی ہے اور اسباب و علل کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

ایمان باللہ کا اصل حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق کائنات مانا جائے بلکہ یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ اب بھی یہ کائنات اسی کے انتظام و اختیار میں ہے اور جہاں جو کچھ بھی وقوع پذیر ہو رہا ہے اسی کے اذن سے ہو رہا ہے۔ وہی اس کائنات کا بادشاہ اور مالک ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس نے اس کائنات کو کچھ طبعی قوانین (Physical Laws) کے تحت حرکت دی ہے، لیکن وہ پورا پورا اختیار رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی قانون کو معطل کر دے یا اس کو بدل دے، یا کسی قوت کی تاثیر کو ختم کر دے۔ جیسا کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔

یہ ساری کائنات اسی کے دائرہ اختیار میں ہے اور اسی نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کا علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ (جو کچھ ہو چکا اور جو ابھی ہونے والا ہے) پر محیط ہے اور یہاں کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو اس کی منشاء کے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ بھی کر سکے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (الدھر: ۳۰)

"تم کسی چیز کی خواہش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جو اللہ چاہے، کیونکہ وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔"

موت وحیات کا یہ سلسلہ خود بخود نہیں چل رہا بلکہ وہی ہے جو ہر چیز کو حیات بخشتا ہے اور وہی ہے جو اس پر موت طاری کرتا ہے' اور اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضور ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بیماریوں میں دوا اور جنگ میں ڈھال کا استعمال خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ (یعنی اگر نہیں ٹال سکتا اور وہی کچھ ہوتا ہے جو تقدیر الٰہی میں ہے تو اس کا فائدہ؟) اس پر آپؐ نے فرمایا: ''میرے صحابہ' تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج کیوں سمجھتے ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ دوا کرو گے تو شفایاب ہو گے' اور سپر استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے۔'' چنانچہ اسباب ووسائل بھی حیطۂ تقدیر میں داخل ہیں۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ :((يَا غُلَامُ' اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ' اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ' وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ' وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ' وَلَوِ اجْتَمَعُـــوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ)) (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: ''اے بچے! تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا' تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا' اور جب بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور جب کسی مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر' اور اچھی طرح جان لے کہ اگر تمام لوگ اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نفع پہنچائیں تو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمہارا کوئی نقصان کرنا چاہیں تو وہ تجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے' (جان لو) قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور رجسٹر خشک ہو گئے ہیں۔''

یعنی اللہ نے جن چیزوں کو معین کر دیا ہے اب انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ ہے اللہ کا اختیار' اس کی قدرت اور علم کا تصور جو قرآن مجید دیتا ہے اور اللہ کو اسی طور پر ماننے کا نام ایمان ہے۔

آج کے مادی دور میں اللہ تعالیٰ کی اس معرفت میں کمی واقع ہوئی ہے اور انسان کا سارا انحصار کائنات کے وسائل پر ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی تمام اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ ان کی ذاتی اور مستقل ہے اور وہ خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے اور اسے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ان چیزوں کی تاثیر کا بدلنا اب اس کے اختیار کے تحت نہیں ہے۔ اور یہی وہ فتنہ دجالیت ہے جس کے بارے میں تمام انبیاء ورسل اپنی امتوں کو خبردار کرتے رہے کہ مبادا وہ اس میں ملوث ہو جائیں اور اسی فتنے کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اس فتنہ میں ملوث انسان اگر دن کو مومن ہو گا تو رات کو کافر ہو جائے گا اور رات کو مومن ہو گا تو دن کو کافر ہو جائے گا' اس لئے کہ وسائل کے حصول کے لئے وہ اللہ کے حضور حاضر ہونے کی بجائے ان ہی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھے گا اور ان کی خاطر ایمان سے تہی دامن ہو جائے گا۔''

آج عالم اسلام کے تمام ممالک کا یہی نقشہ نظر آ رہا ہے کہ ان کے ارباب بست وکشاد کو اللہ تعالیٰ کے مالک الملک اور قاضی الحاجات ہونے پر یقین کی بجائے اصل اعتماد امریکہ بہادر اور عالمی مالیاتی اداروں پر ہے کہ وہ ان سے مدد کا حصول اپنی قومی زندگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے کہنے پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رہے ہیں اور ان کی فرمانبرداری میں اللہ کی صریحاً نافرمانی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا

جو اصل حقیقت ہے اس سے آنکھیں بند ہیں اور جو دھوکہ اور دجل وفریب ہے اس پر پورا اعتماد ہے۔ اللہ کی بجائے کائنات، روح کی بجائے جسدِ خاکی کی جگہ آخرت، دنیا مرکز ومحور ہے۔

اس کائنات کی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن انسانوں کا توکل آج وسائل کائنات پر ہے۔ انسان کو شرف بخشنے والی چیز روح ربانی ہے لیکن اس کی غذا اور نشو ونما کی فکر نہیں ہے بلکہ انسان کو صرف حیوان مان لیا گیا ہے اس لئے جسدِ خاکی کی آسائشیں ہی اصل توجہ کا مرکز ہیں ایمان کی رو سے اصل زندگی آخرت کی ہے لیکن وہ صرف زبانی جمع خرچ اور امانی کی حد تک ہے اصل ساری توانائیاں دنیا کے لئے خرچ ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید انسان سے جس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے اور جسے ایمان واقعی قرار دیتا ہے وہ تو اللہ کو مالک الملک، مختارِ مطلق اور تمام اشیاء پر قہار ہونے پر یقین ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (المائدہ : ۱۲۰)

''اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر بھی، اور وہی ہے جو ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے۔''

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

(الانعام : ۱۴)

''کہہ دیجئے: کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو مددگار سمجھوں حالانکہ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہ ہر کسی کو کھانا کھلاتا ہے اور خود کھانا نہیں کھاتا۔ کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں اور تاکید کی گئی ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤں۔'' اس کی شان یہ ہے

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۚ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ (الانعام : ۹۶)

''اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟''

اور یہی وہ ایمان باللہ ہے جو مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ یقین عطا کرے تاکہ اس کی طرف رجوع ہو۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝﴾ (یونس : ۳۱، ۳۲)

''ان (اللہ کے علاوہ دوسروں پر انحصار کرنے والوں) سے پوچھئے: کون ہے جو تمہیں رزق مہیا کرتا ہے آسمان اور زمین سے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ

سے اور کون ہے جو نظم عالم کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو اللہ ہی ہے۔ بس فرما دیجئے: تو کیا تم (اس کی نافرمانی سے) بچتے نہیں؟ بس یہ ہے تمہارا مالک حقیقی۔ پھر حق کے علاوہ تو گمراہی ہی ہوتی ہے' آخر یہ تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟''

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاَنَّ رُوْحَ الْاَمِیْنِ نَفَثَ فِی رَوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا' اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوا الطَّلَبَ وَلَا یَحْمِلَنَّـکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُدْرَکُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلاَّ بِطَاعَتِهٖ))

(بیہقی عن عبداللّٰہ بن مسعود)

''روح الامین نے یہ بات میرے جی میں ڈال دی ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا جب تک اپنا رزق مکمل نہ کر لے (جو اللہ نے اس کے لئے ماں کے پیٹ ہی میں مقرر کر دیا تھا) پس تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور طلب میں جائز راستہ اختیار کرو اور کہیں کم رزق تمہیں حرام میں طلب پر مجبور نہ کر دے' کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ اس کی فرمانبرداری کے ذریعہ طلب کرنا چاہئے۔''

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ :((مَنْ غَدَا اِلَی الصَّلٰوةِ الصُّبْحُ غَدَا بِرَایَةِ الْاِیْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَی السُّوْقِ غَدَا بِرَایَةِ اِبْلِیْسَ)) (ابن ماجہ)

''حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص صبح کرتا ہے نماز سے (یعنی اللہ کے سامنے اپنی عبدیت ظاہر کرنے اور اسی سے مانگنے سے) تو اس نے ایمان کے جھنڈے تلے صبح کی اور جو صبح ہی صبح (نماز پڑھے بغیر) بازار چلا گیا روزی حاصل کرنے کے لئے (یعنی وہ روزی رساں دکان و کاروبار ہی کو سمجھ رہا ہے) تو اس نے شیطان کے جھنڈے تلے صبح کی۔''

قرآن مجید میں ایمان کا حاصل توکل علی اللہ کو قرار دیا گیا ہے اور یہ اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ عبد اور معبود۔ بندے اور رب کا ہو جائے اور یہی ہے حاصل ایمان جیسے فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝﴾

(حم السجدہ :۳۰)

''جس کسی نے کہہ دیا کہ میرا رب تو اللہ ہے (یعنی حاجب روا اور مشکل کشا پالنے والا اور بچانے والا) اور پھر اس پر ڈٹ گیا تو ایسے لوگوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ (اپنے اس مقصدِ حیات اور کردار) پر نہ خوف کھاؤ اور نہ تم غمگین ہو گے اور بشارت حاصل کرو اس جنت کی جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے''۔

(۲) ایمان بالقدر:

فرمان نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ ایمان بالقدر، ایمان باللہ ہی کا جزو ہے اور اس کے بارے میں جان لیں کہ یہ اصل میں اللہ کے علم اور قدرت' غلبہ اور حکمت کامل کا ہی شعور ہے جیسے قرآن مجید اور حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿﴾ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿﴾﴾ (الحدید : ۲۴، ۲۳)

’’کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (لوح محفوظ میں) لکھی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں اور یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ (یہ بات) بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا ہوئی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ جو ایسے ہیں کہ (جب دنیا کی وجہ سے) خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو شخص اعراض کرے گا (دینِ حق سے) تو جان لے اللہ تعالیٰ غنی ہے اور سزا وار حمد ہے‘‘۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ حَقِیْقَۃٌ وَمَا بَلَغَ عَبْدٌ حَقِیْقَۃَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَہٗ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَہٗ وَمَا اَخْطَاَ لَمْ یَکُنْ لِیُصِیْبَہٗ))

(احمد و طبرانی)

’’ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ یہ بات جان لے کہ اسے جو کوئی (مصیبت وغیرہ) پہنچی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہ تھی اور جو کوئی چوک گئی ہے وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی۔‘‘

ایمان بالرسالت

یہ ایمان تین اجزاء پر مشتمل ہے: (۱) ایمان بالملائکہ (۲) ایمان بالکتب اور (۳) ایمان بالرسل۔

ایمان بالملائکہ:

یہ ایمانیات کا جز ولازم ہے‘ اس لئے کہ فرشتوں کو نہ ماننے کی وجہ سے یہ گمراہی پیدا ہوتی ہے کہ پھر وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے انبیاء ورُسل تک اللہ کا پیغام اور اس کا کلام پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتوں کا انکار کیا گیا تو قرآن مجید کو نبی اکرم ﷺ کا کلام قرار دے دیا گیا۔ ماضی قریب میں اس کی مثالیں سر سید احمد خان اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن (ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی) کے نظریات ہیں۔

فرشتے اصل میں نوری مخلوق ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا اتنا مشاہدہ ہے کہ وہ باوجود اختیار رکھنے کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور ان کے گل سرسبد روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے کلام اللہ کو اللہ تعالیٰ سے وصول کیا اور پھر اسے روح محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر نازل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات کا ذکر خاص طور پر کیا ہے کہ (فرشتے کی اصلی حالت میں) آپؐ نے اُن کو دوبار دیکھا ہے‘ تاکہ قرآن مجید کے راوی اوّل سے ملاقات ثابت ہو اور پھر ان کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ کریم بھی ہیں اور امین بھی‘ ذوقوۃ بھی ہیں اور شدید القوی بھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کا پیغام

انبیاءورسل تک پوری امانت داری سے پہنچایا ہے۔

ایمان بالکتب:

ایمان بالرسالت کا دوسرا جزوایمان بالکتب ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے جو وعدہ فرمایا تھا کہ میری طرف سے نوع انسانی کے لئے ہدایت آتی رہے گی۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ (البقرہ:۳۸)

یہ اس کی تعمیل ہے اور قرآن مجید صراحت سے بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو کتب ہدایت دے کر بھیجیں جو ان کی اقوام کے لئے نور ہدایت ورحمت تھیں۔آخری کتاب قرآن مجید کو''الھدٰی'' بنا کر بھیجا جو تمام انسانوں کے لئے اور رہتی دنیا تک کیلئے ہدایت ہے۔ جو ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ :۱۸۵) ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تا کہ وہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنی رہے۔

ایمان بالرسل:

ایمان بالرسالت کا تیسرا جزوایمان بالرسل ہے،جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت بنی نوع انسان تک پہنچائی۔وہ اس ہدایت کو انسانوں تک ہمیشہ یہ کہہ کر پہنچاتے رہے کہ''اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ''میں پہلا مومن ہوں اور''اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ''میں پہلا فرمانبردار ہوں یعنی چونکہ یہ ہدایت انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے بحیثیت انسان میں خود پہلا ایمان لانے والا اور پہلا فرمانبردار ہوں۔اور اس کی توثیق ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی سورۃ البقرہ کی آخری آیت سے پہلی آیت میں جو شروع میں لکھی گئی ہے کہ ایمان لائے رسول ﷺ اس پر جو نازل کیا گیا اُن کی طرف اور مومن بھی۔

قانونی لحاظ سے یہ ایمان اہم ترین ایمان ہے' کیونکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔گویا یہی ایمان انسانوں کا تشخص معین کرتا ہے کہ کون کس گروہ/امت سے تعلق رکھتا ہے۔دیکھا جائے تو تمام اُمتیں کسی نہ کسی صورت میں اللہ اور آخرت کو مانتی ہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ کیوں ہیں؟ صرف ایمان بالرسالت کی بنیاد پر! اور اللہ تعالیٰ رسولوں کو اس لئے مبعوث فرماتا ہے تا کہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے لئے صراط مستقیم معین کریں'یعنی انہیں اللہ کی عطا کردہ ہدایت کے مطابق رہنمائی بھی دیں اور ان کے لئے اسوۂ حسنہ بھی فراہم کریں۔قرآن حکیم کی آیت مبارکہ پر دوبارہ غور فرمایئے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

''اوراسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعہ سے (قرآن مجید) بھیجا ہے۔آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ ایمان (کی تفصیل) کیا ہے اور نہ ہی کتاب یعنی شریعت کے احکام کیا ہیں لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں' اور بے شک (اے محمد ﷺ) آپ اب سیدھا راستہ دکھانے والے ہو گئے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمّد :۳۳)

''اے ایمان والو! کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول (ﷺ) کا اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو (یعنی تمہارے وہی اعمال صالحہ قرار پائیں گے جو رسول اللہ کے طریقہ کے مطابق ہوں گے)۔''

اورفرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهُ﴾ (النسأ: ۸۰)

''جس نے رسول کی پیروی کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی''۔

مزیدفرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النسأ: ٦٤)

''اور ہم کسی رسول کو بھیجتے ہی اسلئے ہیں کہ اسکی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔''

اوررسول اللہ ﷺ نے بھی ارشادفرمایا:

((مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ))

(رواہ البخاری)

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور محمد ﷺ ہی لوگوں کے درمیان پہچان ہیں (یعنی کون سیدھی راہ پر ہے اور کون اللہ کا نافرمان ہے)''

اوراسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (رواہ ابو داؤد)

''جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ انہیں میں سے ہے۔''

چنانچہ مسلمان وہی ہوگا جو مسلمانوں کی سی شکل وصورت، رہن سہن اور معاملات اختیار کرے، اور فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (رواہ ابو دائود)

''جو کسی (قوم کے طرز زندگی) سے محبت رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے''

چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت کرنے والا وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زندگی پسند ہے۔ یعنی سنتِ رسول اللہ پر عمل پیرا ہے۔ جیسے فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(آل عمران: ۳۱)

''فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اورآپ ؐ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ)) (رواہ الترمزی)

''جس کو میری سنت پیاری ہے اس کو مجھ سے محبت ہے اور جس کو مجھ سے محبت ہے' وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

کسی سے محبت کا دعویٰ تو کیا جائے' لیکن پھر اس کی پیروی نہ کی جائے یا اس کی نافرمانی کی جائے تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الْقَلْبَ اِذَا ذَاقَ طَعْمَ عِبَادَةِ اللّٰہِ وَالْاِخْلَاصَ لہٗ لَمْ یَکُنْ شَیْءٌ قطُّ اَحلٰی من ذٰلِكَ وَلَا اَلَذُّ وَلَا اَمْتَعُ وَلَا اَطْیَبُ وَالاِنْسَانُ لَایَتْرُكُ مَحْبُوْبًا اِلاَّ بِمَحْبُوبٍ اٰخَرٍ' وَالسُّنَّۃُ سَفِیْنَۃُ نُوحٍ مَن رَکِبَھَا نَجَا وَمَن تَخَلَّفَ عَنھا غَرَقَ۔

''جب دل اللہ کی بندگی (محبت + اطاعت) کا ذائقہ چکھ لیتا ہے اور اس کے لئے خالص ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ میٹھی' لذیذ' فائدہ منداور پاکیزہ نہیں رہتی اور انسان کسی پسندیدہ چیز کو ہمیشہ کسی دوسری محبوب چیز ہی کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت تو نوح علیہ السلام کی کشتی ہے' جو اس میں سوار ہوگا نجات پا جائے گا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا تو وہ غرق ہو گیا۔''

ہر شخص کو اپنی زندگی کے معمولات' اپنے پسندیدہ تمدّن اور معاشرت کا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کی پسند و ناپسند کا معیار کیا ہے۔ جو بھی اس کا پسندیدہ طرز زندگی ہے اصل میں وہی اس کا محبوب و مطاع ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے محبت اور آپؐ کی اطاعت ہی کا نام اصل اتباع ہے اور یہی ایمان بالرسول کا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (رواہ مسلم)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین' اپنی اولاد اور باقی تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں''

اور فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

اور سچ کہا ہے کسی شاعر نے

تَعْصِیْ الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تَظْھَرُ حُبَّہٗ

ھٰذَالَعُمْرُكَ فِی الْقِیاسِ بَدِیعُ

لَو کَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاطَعْتَہٗ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطَاعٌ

''تو اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تیری جان کی قسم یہ تو قیاس میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی بات مانتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اسی لئے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت سے منع کیا' تا کہ ان کی پہچان اور ان کا تشخص معین ہو جائے اور کسی شخص کو دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے اور کس امت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی پیمانہ ہے جس کو آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں بیان فرمایا:

((كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی۔ قِيْلَ وَمَنْ يَّاْبٰی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی)) (رواه البخاری)

''میرے تمام امتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے کہ جو (خود ہی جنت میں جانے سے) انکار کر دے۔ پوچھا گیا: بھلا جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''(میری امت میں سے) جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو گویا اس نے (خود جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔''

اور عجیب حال ہے آپؐ کے اُمتیوں کا' کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی تو ڈٹ کر کر رہے ہیں اور ساری زندگی رسول ﷺ کے نہ ماننے والوں کی طرز پر زندگی بسر کر رہے ہیں' لیکن کہتے یہ ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ بہت محبوب ہیں۔ مسلمانوں کی اس رَوش پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

ایمان بالرسالت کا تقاضا خود رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں یہ ہے:

((يَآاَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَیْ ءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِّنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ' وَلَيْسَ مِنْ شَیْ ءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَی النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ)) (بیهقی' ورزین' عن ابن اسودؓ)

''اے لوگو! کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب کرے اور دوزخ سے دور کر رو ہی جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' اور کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں دوزخ کے قریب کرے اور جنت سے دور کر رو ہی جس سے میں نے تمہیں روکا ہے۔''

ایمان بالمعاد

(ایمان بالآخرۃ)

یہ وہ ایمان ہے جو انسان کے عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ آخرت کا ماننا وہی قابلِ قبول ہے جو اُن تفاصیل کے ساتھ مانا جائے جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جو انسان کی مدہوشی کو دور کرتا ہے اور اسے اپنے کردار واعمال کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے انبیاء ورسل کی دعوت کا آغاز اسی ایمان سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۞ قُمْ فَاَنْذِرْ ۞﴾ ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور (لوگوں کو محاسبۂ اخروی سے) خبردار کرو!'' اگر یہ ایمان صحیح نہ ہو تو پھر ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت صرف علم الکلام اور نعت خوانی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور بات ٹیبل ٹاک سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہی حقیقت ہے کہ جس کو قرآن مجید نے صرف تین آیات میں بیان کر دیا ہے۔ سورۃ العلق میں فرمایا:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰی ۞ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۞ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ۞﴾ (العلق: ۶،۷،۸)

''ہرگز نہیں' انسان سرکشی پر آ ہی جاتا ہے جب خود کو بے نیاز پاتا ہے (یعنی کوئی پکڑ نہیں ہو رہی اس کو سیدھا رکھنے والا یہ یقین ہے کہ) اس کو لوٹنا اسکے رب کی طرف ہے۔

انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے اخلاقی اعمال کا اس دنیا میں کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا اور اس پر کوئی پکڑ نہیں ہو رہی تو وہ اپنی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ظلم کرتا ہے، دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ اسے اپنی حدود میں پابند کرنے والی ایک ہی بات ہے کہ اسے یقین دلا دیا جائے کہ اس کی پیشی اس کے مالک کے سامنے ہونے والی ہے جہاں اسے اپنا حساب خود پیش کرنا ہوگا اور اسے اپنے کئے کی جزاء و سزا مل کر رہے گی۔ جب اللہ کے سامنے پیش ہونے کے تصور میں کجی آتی ہے یا یہ گمان کر لیا جاتا ہے کہ کوئی پیشی نہیں ہے تو انسان مادر پدر آزاد ہو کر دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایسے انسانوں کی مختلف اقسام کا ذکر ہوا ہے جو یا تو آخرت کے انکاری ہیں اور اسی وجہ سے بے خوف ہو کر گناہ و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں، یا پھر کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو آخرت کو مانتے تو ہیں لیکن اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے محاسبہ نہیں ہوگا کیونکہ ان کی خاص حیثیت ہے یا وہ کسی پہلو سے خاص سلوک کے مستحق ہیں اور نتیجتاً ان کا آخرت کو ماننا بھی انکار ہی کے مترادف ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ ماننا ان کی سیرت و کردار پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ سورۃ القیامہ کی پہلی دو آیات میں منکرین آخرت کے نظریات کی تردید فرما کر اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ قیامت واقعی اور شدنی ہے اور وہاں نیکی و بدی کا بدلہ بھی لازماً مل کر رہے گا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ''نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!'' آیت مبارکہ کے آغاز میں وارد ہونے والے حرف ''لا'' میں تین قسم کے لوگوں کے خیالات کی نفی ہے جو سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہوگی اور وہ یہ ہیں

(۱) قرآن مجید نے بعض لوگوں کا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ (الجاثیہ : ٢٤)

''یہ لوگ کہتے ہیں: نہیں ہے ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (خود ہی) جیتے اور مرتے ہیں اور گردش زمانہ کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو (کوئی اور ہستی زندگی دینے والی اور موت طاری کرنے والی نہیں کہ جس کے سامنے پیش ہونا ہو) درحقیقت ان کو اس کا کچھ علم نہیں، بلکہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔''

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا تھا کہ دوبارہ اٹھایا جانا اور زندہ کر دینا محال ہے جبکہ ہمارا گوشت گل سڑ جائے گا اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائیں گی۔ ان کا نظریہ ان الفاظ میں بیان ہوا:

﴿اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۞ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۞ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۞﴾ (المومنون : ٣٥ تا ٣٧)

''کیا یہ (نبی) تمہیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور بس ہڈیاں رہ جائیں گی تو اس وقت تم کو (زمین سے) نکال لیا جائے گا۔ انہونی ہے بالکل انہونی ہے یہ بات جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۞ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۞﴾

(الماعون : ١ تا٣)

''بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔''

واقعہ یہ ہے کہ جب اسے جزاء وسزا کا یقین ہی نہیں ہے تو کیوں نہ کمزور کے مال سے فائدہ اٹھائے؟ اور وہ کیوں کسی کو کھانا کھلائے یا کھلانے کے لئے کہے؟ ایسا شخص تو بے وقوف کہلائے گا کہ جہاں سے وہ مال لے سکتا ہو نہ لے اور اپنی آسائش کا سامان مہیا نہ کرے۔ وہ بھلا ایثار کیوں کرے جبکہ اسے ستائش کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔

(۳) منکرین آخرت کا تیسرا گروہ مترفین کا ہے یعنی صاحب ثروت' صاحب اقتدار' مال ودولت والے' جاگیردار اور سرمایہ دار وغیرہ۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۞ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۞﴾ (سبا: ۳۴-۳۵)

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔''

سورۂ حم السجدہ (آیت ۵۰) میں اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾

''(انسان کی ناشکری کا عالم یہ ہے کہ) اگر ہم اس کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے آئی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا' اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی' اور اگر (بفرض محال) میں واقعی اپنے مالک کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے (میں وہاں بھی مزے کروں گا)''

یہ لوگ دنیا کو اتنا پائیدار مانتے ہیں کہ انہیں اس کے ختم ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ ان کے دماغوں میں دوسرا خناس یہ سما جاتا ہے کہ دنیا میں مجھے جو مال ودولت سے نوازا گیا ہے تو یہ میری قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ہے اور یہ میرا استحقاق ہے۔ بالفرض اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں اس دنیا سے بڑھ کر بھلائیاں میری منتظر ہوں گی اور وہاں مجھے بہت کچھ ملے گا' اس لئے کہ میں بڑا باصلاحیت اور خوش قسمت شخص ہوں۔

اس فکری غلطی کو سورۂ کہف میں دو آدمیوں کی مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے جو دوست تھے۔ ان میں سے ایک کو اللہ نے دو باغ دے رکھے تھے اور دوسرے کے پاس دنیا کا مال ومتاع نہ تھا۔ غریب دوست نے باغ والے کو یاد دلایا کہ اللہ نے تم پر اس قدر احسان کیا ہے تو تم اس کے شکر گزار بنو' تم پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرو اور آخرت کے محاسبے کو سامنے رکھو۔ دوسرا شخص مال ومتاعِ دنیا پا کر اللہ اور آخرت کو فراموش کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کا روگ اس کی زبان پر آ گیا' جب وہ مکالمہ کرتے ہوئے اس کے باغ میں پہنچ گئے:

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۞ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۞ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۞﴾ (الکھف: ۳۴ تا ۳۶)

''پس اس نے اپنے (ناصح) سے کہا کہ میں مال ودولت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور نفری کے اعتبار سے بھی تجھ سے

طاقتور جتھہ اور جماعت رکھتا ہوں۔ پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا' اور نہ یہ توقع کرتا ہوں کہ قیامت کبھی برپا ہوگی۔ تاہم اگر میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں ضرور اس سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا۔''

حالانکہ اس دنیا کے مال ومتاع کی اصل حیثیت یہ ہے کہ یہ آزمائش کے لئے ہے اور اسی آزمائش کے لئے اللہ نے یہ اونچ نیچ پیدا کی ہے' تاکہ وہ پرکھ لے کہ کون شکر ادا کرنے والا ہے اور کون ناشکرا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا، وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ (الزخرف : ٣٢)

''ہم نے ان کے درمیان سامان زندگی بانٹا ہے اس دنیا کی زندگی میں' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر برتری دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت (قرآن مجید) بدرجہا بہتر ہے اس (مال ومتاع) سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔''

سورۃ القیامہ کی دوسری آیت میں بھی ''لا'' سے انسانوں کے تین قسم کے گروہوں کے خیالات کی نفی کی گئی ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو قیامت کو مانتے تو ہیں لیکن انہوں نے روزِ جزاء کے بارے میں ایسے نظریات گھڑ لئے ہیں کہ بالفعل محاسبۂ اخروی کا تصور کالعدم قرار پاتا ہے یا انہیں یہ دھوکہ ہو گیا ہے کہ ان سے بازپرس نہیں ہوگی اور وہ تو بس بخش دیئے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا گیا ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾ (القیامۃ:٣) ''نہیں! (تمہارے خیالات درست نہیں ہیں) میں تو قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی'' جو تمہیں ہر وقت احساس دلاتا ہے کہ نیکی نیکی ہے اور برائی برائی ہے' لہٰذا ان کو ایک جیسا خیال نہیں کیا جا سکتا' بلکہ نیکی کا اچھا اور بدی کا برا نتیجہ نکل کر رہے گا۔

محاسبۂ اُخروی کے انکار کی بنیادیں

(۱) نسلی امتیاز:

بعض انسانوں کو یہ زعم ہے کہ چونکہ وہ کسی خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں' انبیاء و رسل یا اولیاء اللہ کی اولاد سے ہیں' اس لئے ان سے بازپرس نہیں ہوگی اور انہیں بخش دیا جائے گا۔ ان میں سرفہرست تو یہود ہیں لیکن امت مسلمہ میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں۔ قرآن مجید میں یہود کا قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المائدہ:١٨) ''ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے چہیتے'' اس لئے کہ ہم انبیاء و رُسل کی اولاد ہیں اور ہزاروں نبی ہماری نسل سے آئے ہیں۔ چنانچہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ''ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا'' یا ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (البقرہ:٨٠) ''ہمیں تو آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن' اور وہ بھی ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ بڑوں سے جو نافرمانی ہوگئی تھی اس کی پاداش میں شاید بنی اسرائیل کو چند دن عذاب دے دیا جائے...... حالانکہ جن کی اولاد ہونے کی بنا پر انہیں یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے انہوں نے تو ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''امام الناس'' کا اعزاز بخشا تو آپؑ نے التجا کی: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ ''اور میری ذریت کے لئے بھی یہی وعدہ ہے؟'' تو جواب ملا تھا: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (البقرہ:١٢٤) ''میرا وعدہ ظلم کرنے والوں کے لئے نہیں ہے۔'' قرآن حکیم میں یہودیوں کے مذکورہ بالا دعویٰ کے جواب میں فرمایا گیا ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (المائدہ:۱۸) ''پوچھئے پھر کیوں اللہ تعالیٰ تمہیں (دنیا میں) عذاب دیتا ہے تمہارے گناہوں پر' بلکہ تم بھی انسان ہو ان (انسانوں) میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔'' دیکھا جائے تو اگر اس بنیاد پر جزاء و سزا نہ ہونے کا معاملہ ہو تو پھر پوری نوع انسانی پیغمبر ہی کی اولاد ہے' لہٰذا اللہ کی چہیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے تعلق اور تقرب ان کے رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داریوں اور سیرت و کردار کے اعلیٰ ہونے سے ہے' جیسے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى يُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المائدہ ۶۸)

''اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر نہیں ہو (یعنی تمہاری کوئی حیثیت نہیں) جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

اور جن بڑوں کی بڑائی کو وہ نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کے بارے میں واضح کر دیا گیا:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (البقرہ: ۱۴۱)

''وہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا' ان کیلئے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم کما رہے ہو۔ تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا (اور ان سے تمہارے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ ہر کسی کو خود ہی جواب دہی کرنا ہوگی)''

(۲) شفاعت باطلہ:

بعض لوگ یہی کافی سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ کسی رسول یا نبی کی امت میں پیدا ہو گئے ہیں اور ان کے ماننے والے ہیں لہٰذا وہ نبی یا رسول ان کو بخشوا لیں گے یا ان سے نسبت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ اس معاملے میں سب سے بڑے مغالطے میں تو عیسائی ہیں کہ جنہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور وہ سولی چڑھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ دے گئے' لہٰذا اب ان کے ماننے والے سب بخشے ہوئے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ میں بھی شفاعت باطلہ کا یہی تصور در آیا ہے' اور وہ یہ ہے کہ انبیاء و رُسل اور اولیاء اللہ کو اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں گے بخشوا لیں گے' حالانکہ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ شفاعت کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝﴾ (الزمر: ۴۴)

''فرما دیجئے: ساری شفاعت کا اختیار اللہ کا ہے' اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے اختیار سے یہ حق عطا کر دے' لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ اختیار دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے' جیسے سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ (طٰہٰ: ۱۰۹)

''اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور جس شخص کیلئے وہ راضی ہو۔''

یعنی جن کے لئے وہ راضی ہوگا ان ہی کے لئے کوئی شخص اس کے اذن سے شفاعت کر سکے گا' کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾

''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے۔''

قرآن مجید میں جہاں بھی سفارش کا اثبات ہے کہ اُس کے اذن سے شفاعت ہوگی وہاں اللہ کے علم کا لازماً ذکر ہے' تا کہ سفارش کا جو تصور انسانوں کے ذہن میں ہے اس کا مغالطہ نہ رہے۔ دنیا میں اگر کسی کی جائز سفارش بھی کی جاتی ہے تو وہ اس شخص کی لاعلمی کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کے پاس سفارش کی جائے۔ مثلاً کسی کے پاس کسی کی ملازمت کے لئے جائز سفارش کریں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی! جس صلاحیت کا آدمی آپ کو درکار ہے وہ تمام خوبیاں اس آدمی میں موجود ہیں' آپ اسے نہیں جانتے' میں بخوبی جانتا ہوں' اس لئے آپ سے سفارش کر رہا ہوں کہ اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیں' یہ اس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی جج کے پاس کسی کی بے گناہی کی سفارش ہو تو وہ بھی اسی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جج صاحب! آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ تھے' میں وہاں موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شخص بے گناہ ہے' لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش مان لیجئے۔ لیکن آخرت میں ایسی کسی سفارش کی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ جس کے حضور شفاعت پیش کرنی ہے وہ خود تمام انسانوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

دنیا میں ایک سفارش تعلقات کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے۔ انسان رشتہ داری اور دوستی جیسے تعلقات کی بنا پر بعض لوگوں کی بات کو ٹال نہیں سکتا۔ درحقیقت اس کے پیچھے اصل طاقت انسان کی احتیاج ہی ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں انہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے کام لینا ہوتا ہے' اس لئے اسے بعض لوگوں کی دلجوئی کی خاطر یا ان کا دباؤ قبول کرتے ہوئے سفارش ماننی پڑتی ہے۔ لیکن جان لیجئے اللہ تعالیٰ ان تمام احتیاجات سے پاک ہے جن کے بارے میں انسانی ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست بھی ہیں' اس کے حبیب بھی ہیں اور خلیل وکلیم بھی ہیں' لیکن اس کی دوستی کسی احتیاج کی بنیاد پر نہیں ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ آڑے وقت میں اس کے کام نہ آئیں گے یا اگر وہ ناراض ہو گئے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی شان یہ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾ (الاسراء:١١١)

''کہہ دیجئے کل شکر اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کا کوئی دوست کسی کمزوری کی بنا پر ہے۔ اس کی کبریائی کو مانو جیسے وہ (خود) بڑا ہے۔''

قرآن مجید شفاعت باطلہ کے اس تصور کی کلی نفی کرتا ہے چنانچہ سورۃ البقرہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے دو مرتبہ فرمایا گیا:

﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ (البقرہ:١٢٣)

''اس دن سے اپنا بچاؤ کر لو جب کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول ہوگا اور نہ اس کو (اپنے اختیار سے) کوئی سفارش ہی فائدہ دے گی اور نہ انہیں کوئی اور مدد مل سکے گی۔''

پھر اس امت کو مخاطب کر کے بھی یہی بات فرمائی گئی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرہ: ٢٥٤)

''اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے (مال' صلاحیت ومہلت عمر) اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس دن نہ کوئی خرید وفروخت ہو سکے گی' نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔ اور (اس دن کو اس طور پر) نہ ماننے والے ہی دراصل ظالم ہیں۔''

یعنی جو اس دن کو اس طور پر سامنے رکھ کر زندگی نہیں گزارے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ وہ کسی سہارے کی بنیاد پر عمل میں تو کوتاہی کرے گا لیکن وہ سہارا اس دن اسے نہ مل سکے گا اور یہی بات ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ان الفاظ میں فرمادی:

((كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلاَّ مَنْ اَبٰى)) قِيْلَ وَمَنْ يَّاْبٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى)) (رواه البخاری)

''میرے سب امتی جنت میں داخل ہوں گے سوائے ان کے جو (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیں گے'' صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ بھلا (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: (میری امت میں سے) جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خود (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیا۔''

(3) اللہ کی شان کریمی کے حوالے سے خود فریبی کا شکار ہونا:

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ بہت رحیم وکریم ہے' وہ بڑا نکتہ نواز ہے' لہٰذا وہ تو بس بخش ہی دے گا۔ ہمارے ہاں آج کل قوال حضرات یہی نکتے بیان کر کے لوگوں کو بے عمل بنا رہے ہیں اور انہیں دھوکہ دے رہے ہیں کہ اللہ بہت کریم ہے' وہ تو بس بخشنے کے بہانے ڈھونڈے گا' اس لئے جو جی چاہے کرو' وہ بخش ہی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ صبح اٹھ کر نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں' بلکہ صبح سویرے ایک قوالی سن لیتے ہیں اور پھر سارا دن اسی نشے میں مست گزار دیتے ہیں۔ یہی وہ تصور ہے جس کا ذکر سورۃ الانفطار میں کیا گیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمُ ۞ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ۞ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۞ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ۞ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۞ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۞ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۞ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنَ ۞ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِيْنَ۞ وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنُ۞ ثُمَّ مَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۞ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۞ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍلِّلّٰهِ۞﴾ (الانفطار: ۵تا۱۹)

''اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا' جس نے تجھے پیدا کیا' تیرے اعضاء درست کئے' تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا؟ ہرگز نہیں' بلکہ (اصل مرض یہ ہے کہ) تم جزاء وسزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں' لکھنے والے معزز (فرشتے) وہ جانتے ہیں جو تم کر رہے ہو۔ (اور وہ یہ ریکارڈ اس لئے بنا رہے ہیں کہ) بے شک نیکوکار نعمتوں والی جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں جائیں گے اور پھر اس سے غائب نہ ہو پائیں گے۔ آپ کو کیا خبر کہ وہ جزاء وسزا کا دن کیسا ہوگا؟ اور پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ یوم الدین کیسا ہے؟ وہ دن ایسا ہوگا جس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھے گا' اور اس دن تمام تر اختیار اللہ ہی کا ہوگا۔''

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن یہ رکھتے ہیں کہ وہ مجھے ضرور معاف فرمادے گا حالانکہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے کیونکہ اگر اس کا اللہ کے بارے میں گمان اچھا ہوتا تو وہ پورے اعمال بھی اچھے کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾(فصلت: ۲۳)

حقیقت یہ ہے کہ نیک اور بد ایک جیسے نہیں ہوسکتے اور کراماً کاتبین نے جو اعمال نامے تیار کر رکھے ہیں وہ اس لئے کہ ان کی بنیاد پر نیکوکاروں کو جزاء ملے اور بدکاروں کو سزا اور اس پر خود تمہارا نفس لوامہ گواہ ہے۔

قیامت کا مثبت تصور

قرآن مجید قیامت کے بارے میں جو مثبت تصور اجاگر کرتا ہے اور جس پر یقین کرنا ہی ایمان کا تقاضا ہے' وہ یہ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞﴾

(الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو اور چاہئے کہ ہر نفس اس پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے' اور دیکھو واقعی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

یعنی جب تم مان چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے' قرآن مجید تمہاری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور وہ یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور قیامت کا دن جزاء وسزا کا دن ہوگا تو تمہیں اللہ کی نافرمانی چھوڑ دینی چاہئے اور تمہیں ہر وقت اس چیز کا فکر دامن گیر رہنا چاہئے کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟ کیونکہ وہاں ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے آگے بھیجا ہو گا' اور اس کے بارے میں وہ ہستی خوب باخبر ہے جس کے سامنے پیشی ہے اور جس نے جزاء وسزا کا فیصلہ فرمانا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو سورۃ القیامہ میں بھی ان الفاظ میں بیان کیا گیا: ﴿یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۞﴾ (القیامہ: ۱۳) ''اس دن آگاہ کر دیا جائے گا ہر انسان کو کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔'' اور سورۃ النباء میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۞ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞﴾ (النبا: ۴۰) ''ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے' جس دن ہر انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے آگے کیا بھیجا تھا' اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔'' اس لئے کہ اس نے آگے کچھ بھیجا ہی نہیں ہوگا اور اسی پاداش میں پکڑ لیا جائے گا۔ پھر اس حقیقت کو سورۃ النازعات میں مزید واضح فرما دیا گیا:

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰی ۞ یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۞ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ۞ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۞ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۞ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ۞ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۞ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ۞﴾ (النّٰزعت ۳۴ تا ۴۰)

''اور جس وقت آجائے گی وہ بڑی آفت' اس دن انسان یاد کرے گا کہ اس نے کیا بھاگ دوڑ کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ پس جس نے سرکشی کی ہوگی (اپنے حقوق سے بڑھ کر لیا ہوگا اور اپنی حدود سے آگے بڑھ گیا ہوگا) اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہوگی پس جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو ڈر گیا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور اس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے رکھا' پس اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔''

یہی وہ دن ہے جس دن وہ انسان پکار اٹھے گا جس نے اس دن کو سامنے رکھ کر زندگی نہ گزاری ہوگی ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ (الفجر:۲۴) ''کہے گا: اے کاش میں نے کچھ آگے بھیجا ہوتا اپنی زندگی کے لئے۔'' یعنی اس دن معلوم ہو جائے گا کہ اصل زندگی تو یہ ہے۔

ہماری اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کا معاملہ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہمیں سعودی عرب یا امارات کا ویزا مل جائے۔ تو جسے بھی ویزا ملتا ہے ایک مدت معین تک ملتا ہے۔ وہ آدمی وہاں جا کر کماتا بہت ہے لیکن خرچ کم سے کم کرتا ہے' اور اپنی ساری بچت وہاں بھیجتا ہے جہاں سے آیا ہے۔ حالانکہ اس کی محنت وہاں صرف ہو رہی ہے جہاں وہ کمانے کے لئے آیا ہوا ہے' لیکن وہاں وہ پاؤں پسارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ یہاں میں ایک مدت معین تک کے لئے آیا ہوں اور مجھے مستقل طور پر اپنے ملک میں رہنا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ساری بچت اپنے وطن بھیج کر وہاں گھر بنواتا ہے' پراپرٹی خریدتا ہے اور بچت جمع کرتا ہے۔ تو یہی تصور ہے جو قرآن مجید ہمیں دیتا ہے کہ تمام لوگ اس دنیا میں ایک معین مدت کے لئے ویزے دے کر بھیجے گئے ہیں اور انہیں مستقل طور پر رہنا وہیں ہے جہاں سے یہ گئے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی فوت ہو جائے تو ہم یہی حقیقت یہ کہتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ''بے شک ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور بے شک اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں'' اور پھر تمام لوگوں کو وہی کچھ ملے گا جو انہوں نے اس دنیا کی زندگی میں بچت کر کے آگے بھیجا ہوگا اور جو شخص اس دنیا میں آ کر اس حقیقت کو بھول جائے کہ میں یہاں ویزا پر آیا ہوا ہوں اور اسی کو وطن سمجھ لے' اسی زندگی کو اصل زندگی سمجھ لے اور تمام عمر اسی زندگی کو سنوارنے کے لئے لگا دے تو قرآن حکیم ایسے شخص کو ناکام ترین شخص قرار دیتا ہے۔ اس کا ذکر سورۂ کہف کے آخری رکوع کی آیات میں کیا گیا ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سورت کی پہلی دس آیات اور آخری رکوع کی آیات کو حفظ کر لے تو وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝﴾ (۱۰۲ تا ۱۰۶)

''اے نبی ﷺ کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں نہ بتائیں کہ اپنے اعمال اور جدوجہد کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے لوگ کون ہیں؟ وہ لوگ کہ جن کی ساری بھاگ دوڑ اور محنت (آخرت کی کامیابی کو چھوڑ کر) دنیا ہی کے حصول میں لگ گئی اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتے رہے کہ وہ (دنیا کو مقصود بنا کر) بہتر اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا۔ پس تو دنیا میں اگر انہوں نے کچھ نیک کام کئے ہوں گے (جیسے نماز، روزہ، صدقہ وخیرات وغیرہ اپنے ضمیر کو تھپکی دینے کے لئے) تو وہ سب ضائع کر دیئے جائیں گے (کیونکہ ان کاموں کا مقصود بھی دنیا ہی ہوتی تھی) لہٰذا ہم ان کے لئے قیامت کے دن ترازو بھی نہیں لگائیں گے۔ ان کی سزا جہنم ہوگی، اسی پاداش میں کہ انہوں نے کفر کیا اور اللہ کے رسولوں اور اس کی آیات کو مذاق ہی سمجھتے رہے۔''

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ان آیات کو صرف دورِ نبوی ﷺ کے کافروں پر منطبق کر کے اپنے آپ کو اس سے بری سمجھتے ہیں' حالانکہ ہم میں

سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس دنیا کے لئے کھپا دیں ہیں اور ہم نے تو اللہ کی کتاب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴾ (الکھف:۱۰۱) ''جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (قرآن مجید) سے بند رہیں اور انہوں نے سننے کی بھی طاقت نہ رکھی۔'' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس روش سے بچائے اور اسے واقعی قرآن مجید کی دی ہوئی ہدایت پر یقین عطا کرے تا کہ وہ آخرت کے لئے توشہ آگے بھیجنے کی طرف اپنی پوری توجہ دے اور وہاں پر کامیابی حاصل کرے۔ آمین!

دوسرا گوشہ

عبادات

عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو نبی اکرم ﷺ نے اسلام کے ستون قرار دیا ہے اور کسی بھی تعمیر کی پختگی کا دارومدار ہمیشہ اس کے ستونوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ عبادات اصل میں ایک طرف روحانی بالیدگی اور یاد رب کا مؤثر ذریعہ ہیں تو دوسری طرف نفس انسانی کی کمزوریوں کا مداوا ہیں۔ خالق انسان خود فرماتا ہے کہ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ النساء 28 ''انسان کو ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔'' ﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (الانبیاء 37) ''انسان میں عجلت پسندی ہے۔'' ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاo وَّاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاo وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاoاِلَّا الْمُصَلِّيْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ (المعارج 19-23) ''بے شک انسان بہت تھڑ دلا ہے جب اسے کوئی بُرائی پہنچتی ہے تو واویلا مچا دیتا ہے اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے (مال دولت ملتا ہے) تو اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ سوائے نمازیوں کے جو اپنی نماز پر دوام اختیار کرتے ہیں۔''

اگر انسان واقعی ان عبادات کو کماحقہ اختیار کر لے یعنی شعوری طور پر ادا کرے تو ان کمزوریوں پر قابو پا کر اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ حال تو یہ ہے کہ ہم ساری عمر نماز ادا کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ تک سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور روزہ رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے اور اسے گذارنے کے لئے بعض دفعہ سینما ہال بھی چلے جاتے ہیں۔

عبادات میں تقسیم اللہ تعالیٰ کے فرمان اور نبی اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کی بنیاد پر کچھ یوں ہے۔ مکتوبہ سے مراد وہ عبادات ہیں جو قرآن مجید نے لازم یعنی فرض قرار دی ہیں اور تطوع وہ حصہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے خود اختیار فرمایا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس کے لئے قرینہ موجود ہے۔ ﴿مَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ﴾ (البقرہ 184) ''جو کوئی بھلائی اختیار کرتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہی ہے۔'' وہ اختیاری عبادات جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی ہیں ان کی تقسیم یوں ہے۔

1۔ واجب

واجب وہ عبادات قرار پائیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ فرض اور واجب میں فرق یہی ہے کہ فرض وہ ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور واجب وہ جن کا آپؐ نے حکم دیا ہے۔

2۔ سنت مؤکدہ

وہ عبادات جن کی ادائیگی کے لئے آپؐ نے ترغیب وتشویق دلائی ہے اور خود پابندی سے عمل کیا ہے۔

3۔سنت غیر مؤکدہ

سنت غیر مؤکدہ وہ عبادات کہلاتی ہیں جن کی ترغیب وتشویق تو ہے لیکن آپ ؐ کا عمل مستقل نہیں ہے۔

4۔نوافل

نوافل عبادات کا وہ حصّہ ہیں جن کیلئے ترغیب وتشویق ہے لیکن آپ کا عمل ثابت نہیں ہے۔

عبادات کی اہمیت

1۔ فرائض دینی کے حوالے سے عبادات کا مقام ان ستونوں کی مانند ہے جس پر فرائض دینی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ ساتھیوں کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه' اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾(الفتح :29)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع وسجود میں (سرگرم) پاؤ گے۔ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ہے۔''

3۔ احیائی تحریکوں میں عبادات کے حوالے سے ایک کوتاہی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وسیع تصور دین میں عبادات پر توجہ کا ارتکاز کم ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام'' میں عبادات کی اہمیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''نماز کا یہ مقام کہ وہ ''معراج المومنین'' ہے' نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے اور نفسِ انسانی کا اس سے ایسا انس کہ ''قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ'' کی کیفیت پیدا ہو سکے' ناپید ہے۔اس کے برعکس زیادہ ترقی پسند لوگوں کے نزدیک تو صلوٰۃ معاشرے کے ہم معنی قرار پائی ہے اور دوسروں کے نزدیک بھی اس کی اصل اہمیت اس حیثیت سے ہے کہ وہ مسلمان معاشرے کی اصلاح اور تنظیم کا ایک جامع پروگرام ہے۔زکوٰۃ کا یہ پہلو کہ یہ روح کی بالیدگی اور تزکیہ کا ذریعہ ہے اس قدر معروف نہیں جتنی اس کی یہ حیثیت کہ یہ اسلامی نظامِ معیشت کا اہم ستون ہے۔روزہ کے بارے میں یہ تو خوب بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ضبطِ نفس (Self Control) کی مشق وریاضت ہے لیکن اس کی اس حقیقت کا یا تو سرے سے ادراک ہی نہیں ہے یا اس کے بیان میں حجاب محسوس ہوتا ہے کہ یہ روح کی تقویت کا سامان اور جسدِ حیوانی کی اس پر گرفت کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہے۔چنانچہ یہ حدیث تو تحریر وتقریر میں عام بیان ہوتی ہے کہ ''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' اور اس کی تشریح پر خوب زور دیا جاتا ہے۔لیکن یہ حدیث قدسی کہ ''اَلصَّومُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِى بِهٖ'' روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا/خود ہوں۔اول تو کم ہی بیان ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو بس سرسری طور پر۔اسی طرح حج کے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ اس کے ذریعے ''خدا پرستی کے محور پر ایک عالمگیر برادری'' کی تنظیم ہوتی ہے لیکن اس سے آگے اس کی روحانی برکات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔''

4۔ عبادات کے ظاہری اور اجتماعی فوائد اور حکمتیں بھی ہیں لیکن ان کی بنیادی اہمیت انسان کی اخلاقی وروحانی تربیت کے اعتبار سے ہے۔

نماز

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا[اَلصَّلوۃ عماد الدین من ھدمھا ھدم الدین]''نماز دین کا ستون ہے جس نے اس ستون کو گرا دیا اس نے دین اسلام کو گرا دیا۔'' گویا نماز نہ ادا کرنے کی صورت میں اسلام سے کیا تعلق باقی رہا۔﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ دٰائِمُوْنَ﴾(سورہ المعارج 23) میں یہی مطلوب ہے کہ وقت کی پابندی کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کی جائیں اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان میں:[بین العبد و بین الکفر ترك الصلوۃ](رواہ مسلم)''بندہ مسلم اور کفر کے مابین نماز کو چھوڑ دینا ہی تو ہے۔''

☆ سورۃ مومنون میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی پہلی صفت بیان ہوئی کہ:

﴿اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ o﴾

''جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔''(المومنون:2)

اسی مقام پر آخری صفت یہ آئی ہے کہ:

﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ o﴾

''جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''(المومنون9)

نماز کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے یعنی اسے پابندیٔ وقت کے ساتھ مسجد میں با جماعت اور تمام ظاہری آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔ کیونکہ نماز پنجگانہ کے بعد اقامت صلوۃ کا تقاضا کیا گیا ہے اور اقامت صلوٰۃ باجماعت ادائیگی سے ہی ہوتی ہے اور اقامت میں اس لئے یہ الفاظ ادا کئے جاتے ہیں''قد قامتِ الصلوٰۃ'' گویا باجماعت نماز عملی صورت ہے اقامت صلوٰۃ کے حکم کی۔اس کے علاوہ تعدیل ارکان یعنی پورے اطمینان کے ساتھ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ اور تشہد کی ادائیگی بھی نماز کے قائم کرنے میں شامل ہے۔

نماز کا باطنی پہلو یہ ہے کہ اسے پوری توجہ، انہاک اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی

(i) نماز ایسے ادا کی جائے گویا کہ یہ آخری نماز ہے۔

(ii) اللہ کی نعمتوں کو تصور میں لاتے ہوئے شکر کے جذبات کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ o﴾

''(اے نبی ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا کی ہے پس (شکر کے طور پر) نماز پڑھیے اور قربانی پیش کیجیے۔''

(سورہ کوثر:1، 2)

(iii) نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا مفہوم یاد کیا جائے تا کہ نماز میں توجہ رہے اور شکر کی ادائیگی کے ساتھ نماز دعا بن جائے۔

☆ نماز کے بارے میں مطلوب کیفیت تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے اتنی محبت ہو کہ اس کا منتظر رہے۔آپؐ نے فرمایا

[قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ]

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

☆ جماعت کے وقت سے تھوڑا سا پہلے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کی جائے اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کا اہتمام کیا جائے۔

☆ سورۃ الشوریٰ کی آیت 36 تا 47 میں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک وصف اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ہے یعنی نماز انقلابی کارکنوں کی تربیت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔صبح سویرے بیدار ہونا، نیند کو قربان کرنا، پھر دن میں بار

بار اپنے معمولات کو چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہونا' ایک امام کی اقتداء میں پورے نظم کے ساتھ نماز ادا کرنا اور پھر اپنے تمام معمولات کو نماز کے اوقات کے حوالے سے طے کرنا یہ سب نماز ہی سے حاصل ہونے والی تربیت کا مظہر ہے۔

☆ رات کے پچھلے پہر میں اللہ تعالیٰ دعائیں پوری فرماتا ہے۔ اگر ہم واقعی اقامت دین کی منزل سر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اللہ کی بھرپور مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ سے مدد مانگنے کے لئے بہترین ذریعہ نماز اور بہتر وقت رات کا پچھلا پہر ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ 153)

﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا o﴾ (الفرقان 64)

''اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ o كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ o﴾

''یہ لوگ اس سے پہلے نیکوکار (درجہ احسان پر) تھے (اور عبادت میں مشغول رہنے کے بہ سبب) رات کو بہت کم سوتے تھے۔'' (الذاریات:16-17)

زکوٰۃ

☆ ''تربیت و تزکیہ'' اقامت دین کی جدوجہد کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ زکوٰۃ تزکیہ نفس ہی کا ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعہ قرب الٰہی کے حصول میں حائل ایک بڑی رکاوٹ یعنی مال کی محبت پر انسان قابو پاتا ہے۔ پھر زکوٰۃ کے ذریعے انسان میں اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

☆ زکوٰۃ دینے کے لئے ہماری اوّلین ترجیح اپنے اعزہ و اقارب میں موجود مستحقین ہونے چاہئیں۔ اس سے ہمارے اعزہ و اقارب کی تالیف قلب ہوتی ہے اور وہ ہماری دعوت کو ہمدردی سے سنتے ہیں۔ کامیاب داعی وہی ہے جو انسان دوست اور دوسروں کے دکھ درد بانٹنے والا ہو۔ ہمیں زکوٰۃ کی عبادت کو بھی اقامت دین کی جدوجہد کا اہم رکن سمجھنا چاہئے اور ہو سکے تو العفو کے قرآنی حکم کا مصداق بننے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ مال کی محبت جو دنیا سے تعلق کا مضبوط ذریعہ ہے اس سے بچا جا سکے۔

روزہ

☆ روزہ ہمارے اندر روحانیت کو تقویت دینے اور قرب الٰہی کے حصول کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ سورہ بقرہ کے 23ویں رکوع میں روزے کے بارے میں احکامات دینے کے بعد اللہ نے فرمایا۔

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

''اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو بتا دیجئے کہ) میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔'' (البقرہ:186)

☆ روزہ کے ذریعے ہم نفسانی خواہشات پر قابو پا کر اپنی روح کو تقویت دیتے ہیں۔ روزے کے دوران صرف کھانے' پینے اور جنسی خواہشات کی تسکین سے اجتناب کرنا ہی نہیں ہے بلکہ جسم کے ہر عضو کو روزے کی کیفیت سے گزارنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری آنکھ' کان'

زبان، ہاتھ، پاؤں، دل کسی بھی عضو سے اللہ کی نافرمانی نہ ہوتا کہ پورے اعتماد سے اللہ تعالیٰ سے مانگ سکیں۔

[مَنْ لَّمْ يَدْعَ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَّدْعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ](نسائی)

''جس کسی نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اسکی ضرورت نہیں وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔''

☆ ''روزے کی اس افادیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم فرض روزوں کے علاوہ مسنون روزوں کا بھی اہتمام کریں۔ جیسے عرفہ کا روزہ، عاشورہ کے دو روزے، ہر قمری ماہ کی 13 تا 15 تاریخ کے تین روزے وغیرہ۔

بعض نفلی روزوں کی طرف بھی آپ ﷺ نے ترغیب دلائی ہے جیسے شوال کے چھ روزے پیر اور جمعرات کا روزہ۔

حج

☆ حج تمام عبادات میں سے تمام برکتوں کی جامع اور عظیم ترین عبادت ہے۔

☆ حج اگر قبول ہو جائے تو انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆ جس مسلمان کے پاس زادِ راہ ہو پیچھے گھر والوں کے لئے گزر اوقات کا سامان ہو، وہ سفر کی صعوبتیں اور دوران حج مشقیں برداشت کرنے کے قابل ہو، راستے میں امن وامان ہو تو اس پر حج کرنا لازم ہے۔

☆ حج کے ذریعہ انسان کو بے شمار روحانی برکات حاصل ہوتی ہیں اور خاص طور پر بعض روحانی مناظر اور کیفیات ہمیشہ کے لئے اس کے حافظہ کا سرمایہ بن جاتی ہیں جن کا تصور کر کے وہ روحانی بالیدگی اور ترفع حاصل کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ، صفا ومروہ اور مشعر الحرام کو شعائر اللہ قرار دیا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی اطاعت کی یاد کی تازگی کا ذریعہ ہیں۔

☆ ہم میں سے ہر ساتھی کو حج کے لئے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ یہ دعا ضرور پوری فرماتا ہے۔

☆ حج اصل میں مسلمانوں میں ایک ملت کے تصور کا مؤثر ذریعہ بھی ہے کہ ہر مسلمان خواہ پاکستانی ہو یا ہندوستانی، ایرانی ہو یا عراقی، ترکی ہو یا افغانی وہ ان نسلی ولسانی، علاقائی تقسیموں سے بلند ہو کر ایک لباس زیب تن کر کے ایک ملت کا فرد ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کاش واقعی حج اس شیرازہ بندی کا ذریعہ بن جائے اور تمام مسلمان ان علاقائی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر خود کو ایک ملت کا فرد بنالیں اور امت مسلمہ میں ہونے کو ترجیح دینے لگیں تو غلبہ دین الحق کی راہ ہموار ہو جائے۔

عبادات کی تقسیم کا نقشہ دیا جا رہا ہے تا کہ ہر شخص پورے شعور کے ساتھ ان کی ادائیگی کر سکے۔

عبادات	مکتوبہ فرائض	تطوع۔نوافل			
	فرض	واجب	سنت مؤ کدّہ	سنت غیرموکدّہ	نوافل
الصلواۃ (نماز)	17 رکعات فجر:2 ظہر:4 عصر:4 مغرب:3 عشاء:4	وتر 3 تا 11 رکعات 2+(1 تا 9) تہجد کے نوافل کو وتر بنانا ہے۔	10/12 رکعات فجر:2 ظہر:4/6 مغرب:2 عشاء:2	8 رکعات عصر:4 عشاء:4	تحیۃ المسجد:2 رکعت تحیۃ الوضوء:2 رکعت اشراق:2 تا 4 رکعت الضحٰی یا چاشت:2 تا 12 رکعت اوابین:2 تا 6 رکعات تہجد:2 تا 10 رکعات (یہ آپ ﷺ پر فرض تھی اسلئے امت کیلئے نفل قرار پائی۔)
الصوم (روزہ)	ماہ رمضان المبارک کے روزے	X	1۔یوم عرفہ۔9 ذی الحج 2۔عاشورہ۔9 محرم اور 10 محرم دو روزے یا 10 اور 11 محرم۔ ۳۔ہر ماہ 3 روزے مستحب ایام بیض (13 تا 15) چاند کی	X	1۔6 روزے ماہ شوال کے 2۔اگر کوئی زیادہ روزے رکھنا چاہے تو ہر پیر اور جمعرات کا روزہ زیادہ مستحب ہے۔ (صرف جمعہ کے دن کو روزہ کیلئے مخصوص کر لینا منع ہے۔)
الزکوٰۃ	جب مال و جنس زکوٰۃ کی کم از کم حد تک ہو جائے 2.5% مال تجارت + نقدی و زیورات 10% جنس بارانی 5% جنس چاہی نہری چوپاؤں پر بھی ایک تعداد ادا ہونے پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔	فطرانہ	قربانی	عقیقہ	العفو۔جو بھی ضروریات سے زائد ہے یعنی بچت ہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دی جائے۔
الحج	الحج الاکبر زندگی میں ایک بار فرض ہے جب بھی استطاعت سفر میسر ہو	X	X	الحج الاصغر (عمرہ)	X

عبادات میں لوازمات فرائض

1- تمام فرائض وقت کی پابندی کے ساتھ اجتماعی ہیں۔نماز کے اوقات کے بارے میں بڑی وسعت رکھی گئی ہے تاکہ ہر علاقے کے حالات اور کاروباری ضروریات کو سامنے رکھ کر وقت کا تعین کرنے میں آسانی ہو۔

2- یہ مستقل اور دائمی ہیں جن طور پر بھی فرض کی گئی ہیں ان کا جان بوجھ کر چھوڑنے والے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ نماز کے بارے میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام اور کفر میں یہی تو فرق رکھنے والی ہے۔

روزہ کے بارے میں فرمایا[**عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من افطر يوماً من رمضان من غير رخصةٍ لَمْ يجزهُ صيام الدهر**] **رواه احمد** جس نے بغیر عذر کے ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو اس کے بدلے پوری عمر کے نفلی روزے کفارہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ تو ادانہ کرنے پر قتال کیا گیا۔

حج کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر استطاعت کے باوجود کوئی مسلمان حج نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام قبول نہیں ہے۔وہ نصرانی ہو کر مرے یا یہودی۔

3- ان کے تمام ارکان کو ان کی شرائط کے مطابق ادا کیا جائے۔اطمینان کے ساتھ اور تعدیل کے ساتھ۔

4- تمام عبادات کی غرض اور مقصد بھی پورا ہو جیسے قران مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان ہوئی ہیں۔یعنی خشوع وخضوع، عاجزی وانکساری،عبدیت،تقویٰ اور تزکیہ کا سامان بنیں۔

تیسرا گوشہ

رسومات

مسلمان کی زندگی میں معاشرت کو مکروہات سے پاک کرنے اور سنت رسول ﷺ سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ سے قریب تر کرنے کے لئے مسلسل کوشش فرض قرار دی گئی ہے چنانچہ اس کے حوالے سے مندرجہ ذیل رسومات کے موقع پر سنت رسول ﷺ و سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ کو واضح کیا جارہا ہے تاکہ ہر مسلمان اس کے علاوہ باقی رسومات سے کلی اجتناب کرے۔یہ جان لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں عمل کر کے سنت نہ چھوڑی ہو کیونکہ آپؐ نے بھرپور زندگی گزاری ہے اور ہر پہلو میں ہدایات دی ہیں کیونکہ بعد میں کوئی نبی نہ آنے والا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ

[مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنْ السُّنَّةِ مِثْلَهَا] **(مسند احمد)**

جب بھی لوگ کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت ان سے چھین لیتے ہیں۔

1۔ پیدائش

اس موقع پر آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بچہ کے لئے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے۔اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔ عقیقہ کی رسم عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔بکری کو ذبح کر کے اس کا خون نامولود کے سر پر ملتے تھے۔آپ نے اس کی جگہ حلق کے بعد

زعفران یا کوئی اور خوشبو ملنے کا رواج دیا۔ عرب صرف لڑکوں کے لئے عقیقہ کرتے تھے آپ نے لڑکیوں کے لئے بھی اسے رواج دیا ہے۔ عقیقہ ایک ایک بکری کا بھی جائز ہے لیکن اگر وسعت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ بکری ذبح کرنے کے بعد سر منڈوانا گویا حج کی سنت قربانی سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ جانور کی قربانی اگر چہ صدقہ ہے اور صدقے کے حقدار غرباء و مساکین ہوتے ہیں لیکن اس صدقہ میں سے خود بھی اور اپنے اعزہ و اقارب کو کھلانے کی رخصت آنحضور ﷺ نے فرمائی ہے۔

یہ ساتویں دن مسنون، 14ویں اور 21ویں دن مستحب۔ نوٹ: اگر استطاعت نہ ہو تو قرض وغیرہ لے کر جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اصل میں بچے کے نسب کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکرانہ جس نے اولاد عطا کی ہے۔ 21ویں دن تک بھی نہ کر پائے تو پھر بعد میں کرنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر کرنا ہی چاہے تو پھر صرف صدقہ ہونا چاہئے۔ تقریب کے لئے کوئی جواز نہیں ہے۔

2۔ ختنہ

یہ ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جن کو آنحضور ﷺ نے فطرت قرار دیا ہے۔ مثلاً استرا لینا، ختنہ کروانا، مونچھیں کتروانا، بغل کے بال لینا اور ناخن کٹوانا۔ ختنہ سات سال کی عمر تک ہو جانا چاہئے اس موقع پر کوئی دعوت مسنون نہیں ہے۔

[عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَعٰی عُثْمَانُ بْنُ اَبِی الْعَاصِ اِلٰی خِتَانٍ فَاَبٰی اَنْ یُّجِیْبَ فَقِیْلَ لَہٗ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا لَا نَاْتِی الْخِتَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا نَدْعٰی لَہٗ] **(مسند احمد)**

حضرت حسن کو عثمان بن ابو العاص نے ختنہ کے موقع پر بلایا تو انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان سے اس پر بات کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ختنہ پر نہ آیا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دعوت دیا کرتے تھے۔

نوٹ: اس موقعہ کی نسبت سے ایک رسم سالگرہ رواج پا گئی ہے جو ملت کو بانٹنے کا ذریعہ ہے کہ ہر قوم اور ملک نے اپنا اپنا ہیرو بنالیا ہے اور ان کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم سب نبیوں کو ماننے والے ہیں لیکن اس رسم کے لئے تفریق کر رکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں کو الاٹ کر دیا ہے کہ وہ ان کی میلاد منائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کو۔ حالانکہ وہ ہمارے بھی نبی ہیں۔

اگر یہ کوئی رسم ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء کی میلاد مناتے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر آپ کی بھی میلاد مناتے لیکن قرون اولیٰ میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے اور مسلمانوں کی صرف دو ہی عیدیں ہیں جو عَیْدَیْن کہلاتی ہیں۔

3۔ شادی

☆ منگنی کے موقع پر تبادلہ ہدایا وغیرہ صحیح نہیں ہے بلکہ صرف زبانی یا بذریعہ خط و کتابت معاملہ طے کر لینا چاہئے۔ فرمان نبوی عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامِ کے مطابق کہ آپ نے فرمایا: [اَظْھِرُوا النِّکَاحَ وَاَخْفُوا الْخِطْبَۃَ] (نکاح علی الاعلان کرو اور منگنی کو چھپاؤ) یعنی اس پر کوئی تقریب منعقد نہ کرو۔

☆ عقدۃ النکاح: آج کل کے حالات میں اولیٰ یہ ہے کہ محفلِ نکاح مسجد میں منعقد کی جائے تاکہ اعلانِ عام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کیونکہ نماز پر اہلِ محلّہ موجود ہی ہوں گے اور فضول اخراجات سے بھی بچت ہو۔

☆ برات کے عجمی رواج کو ختم کیا جائے اورلڑکی والوں کے ہاں دعوت کے غیر مسنون طریقہ کار کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ مہر حسب حیثیت اوسط درجے کا ہواوراس کی ادائیگی ضرور ہو۔اس موقع پر نیوتر ا/ تبادلہ ہدایا وتحائف سے اجتناب کیا جائے۔جہیز کی رسم اوراس کی وجہ سے لڑکیوں کو نکاح سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔لیکن لڑکیوں کا نکاح اس وجہ سے نہ کرنا کہ ایسا رشتہ نہیں مل رہا جہاں جہیز نہ دینا پڑے‘ بھی صحیح نہیں ہے۔اگر جہیز کے بغیر رشتہ نہ مل رہا ہوتو کم ازکم اس کی نمائش نہ ہواوراس کی ادائیگی نکاح سے مقدم یا مؤخر کر لی جائے۔(یہ بات بہرصورت سامنے رہنی چاہئے کہ یہ کوئی مسنون رسم نہیں ہے بلکہ ہندوانہ رسومات میں سے ہے اور یہ لڑکی کے حق وراثت کا بدل نہیں ہے۔ویسے سوچئے یہ اگر سنت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 9 شادیاں تو مدینے میں آ کر کی ہیں کسی پر تو جہیز ملنا چاہئے تھا۔پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تو گھر گھرستی کی زندگیاں گزارنے والے تھے۔کسی کے بارے میں بھی جہیز کا ذکر نہیں ہے۔حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر بھی اصل میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ حضرت علیؓ کے ولی ہونے کے ناطے سے آپؐ نے کیا ہے اور ان ہی کی رقم سے کیا ہے۔اور دعوت ولیمہ بھی آپؐ نے کھلائی ہے۔آج کل ہم نے چونکہ مذہبی معاملات کو علماء ہی کے سپرد کیا ہوا ہے اور خود دین کا سیکھنا چھوڑ رکھا ہے اس لئے تمام رسومات ان ہی کے ذریعہ ہوتی ہیں۔اگر ایسا ہی کرنا ہوتو پھر نکاح کے لئے ہمیں اپنے امام (سردار) کے پاس جانا چاہئے۔نہ کہ امام صاحب کو گھر بلوایا جائے۔ہاں نکاح گھر پر بھی ہوجاتا ہے اگر گھر پر ہی کرنا ہے تو خود نکاح پڑھائیں۔اپنے امام یعنی سردار کی عزت کا تو خیال کریں۔اس معاملے میں عیسائیوں نے ابھی تک اپنے پادری (جس کو تمام مذہبی معاملات سپرد کئے ہوئے ہیں) کا یہ مقام رکھا ہے کہ نکاح اور دوسری رسومات کے لئے اس کے پاس حاضری دیتے ہیں۔اسے اپنے گھر نہیں بلاتے۔﴿**فاعتبروا یا اولو الابصار**﴾

☆ دعوت ولیمہ مسنون ہے اور ضرور ہونی چاہئے لیکن اس میں نمود ونمائش / تبذیر یا اظہار فخر کے لئے مبالغہ ٹھیک نہیں ہے۔اس رسم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تاکید موجود ہے۔چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

[اَوْلِمُوْا وَلَوْ بِشَاةٍ] ''ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری کا'' اور فرمایا [اِذَا دُعِیَ اَحَدُ کُمْ اِلَی الْوَلِیْمَةَ فَلْیَاتِهَا] ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت پر بلایا جائے تو اسے ضرور جانا چاہئے۔'' یاد رہے کہ اس دور میں بکری یا مینڈھا قربانی کے لئے ایک درہم میں مل جاتا تھا کھانے کا اہتمام ایسے نہ ہو جیسے جانوروں کو کھلایا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے یہ نہ ہو کہ جانوروں کی طرح کھر لی میں ڈال دیا اور ان کو چھوڑ دیا۔یعنی اس سے بچا جائے کہ ایسے کھانا کھایا جائے جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔بالفاظ قرآنی ﴿یَاکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامَ﴾ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ:

[سَیَکُوْنُ قَوْمٌ یَاکُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْاَرْضِ] (**رواه احمد عن سعدؓ**)

''عنقریب ایسے لوگ آئیں گے وہ اپنی زبانوں سے کھائیں گے جیسے کہ گائے زمین سے اپنی زبان سے کھاتی ہے''۔یہ بھی عام ہو چکا ہے۔

اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔(بیہقی)

نعمان بن بشیرؓ ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو گھوڑا دینے پر آپؐ کو گواہ ٹھہرانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا سب کو دیا ہے؟ اس کے نہ کرنے پر فرمایا میں اس پر گواہ نہیں بنتا۔(متفق علیہ)

نوٹ: رفقاء سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں اعلیٰ اقدار ملحوظ رکھیں گے اور مثالیں قائم کریں گے۔

4۔فوتید گی

ہمارے ہاں پیدائش اور نکاح کی رسومات تو ابھی تک معاشرتی روابط ہی کے طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن فوتید گی کی بعض رسومات کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا ہے۔اب اصل مذہب یہی رسومات بن گئی ہیں۔اس لئے ان سے اجتناب بہت ضروری ہو گیا ہے اور جو رسومات مطلوب ہیں ان سے آگاہی حاصل کرنا لازم ہے۔وہ یہ ہیں:

☆ تدفین کا انتظام جلد از جلد کیا جائے کیونکہ آنحضور ﷺ نے جن تین کاموں کو جلد از جلد کرنے کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک تدفین ہے۔آنحضورؐ نے فرمایا نماز کا جب وقت ہو جائے' لڑکی جب بالغ ہو جائے اور جنازہ جب تیار ہو جائے تو دیر درست نہیں ہے۔

☆ میت کے لئے دعا مغفرت کی غرض سے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی جائے۔اصل اجتماعی دعا نماز جنازہ ہے جو ساری کی ساری دعا ہی ہے۔حد یہ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں کو یہ دعا بھی یاد نہیں ہوتی کہ کسی کے لئے دعا کر سکیں اور اس کوتاہی کو بعد میں دعائیں کر کے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ کتنی ترغیب دلائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کسی مسلمان کے لئے 40 مسلمان نماز جنازہ میں دُعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرما لیتے ہیں اور جنازہ میں شامل ہونے والے کو ایک قیراط اور تدفین تک رہنے والے کو دو قیراط ثواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔پوچھا گیا اے اللہ کے رسول قیراط کتنا ہے فرمایا اُحد پہاڑ جتنا۔جیسے فرمایا[مَنْ صَلّٰی عَلٰی جنازةٍ فَلَهُ قيراطٌ وَمَن صَلّٰی عَلَيْهَا وَتَبِعَهَا فَلَهُ قيراطان](عن أبی هريره رواه احمد)

☆ مرنے والے کے عزیزوں سے تعزیت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ایسے موقعوں پر ان الفاظ میں تعزیت کرتے تھے[اِنَّ لِلّٰهِ مَااَخَذَ وَلَهُ مَااَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِاَجَلٍ مُسَمًّى وَلْتَصْبِرُوْا وَلْتَحْسِبُوْا اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَكُمْ وَ اَحْسَنَ عَزَّاكُمْ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكُمْ]''جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی میعاد معین کر رکھی ہے۔!اس پر صبر کرو اور اسے آخرت کا توشہ بناؤ۔اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے اور تمہاری اچھی دلجوئی فرمائے اور تمہارے مرنے والے کو بخشے۔

☆ میت پر سوگ سے مراد تین دن تک کوئی خوشی کا کام نہ کرنا ہے۔اس کے لئے رسمی نشست کا اہتمام کرنا جائز نہیں ہے۔اگرچہ معمول کے مطابق تین دن تک گھر میں رہا جا سکتا ہے ایک دفعہ تعزیت کے بعد بار بار آنا منع ہے۔تین دن کے بعد سوگ منع ہے۔سوائے بیوہ عورت کے کہ وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

☆ میت کے لئے انفرادی دعا تو مستحب ہے کہ زیادہ سے زیادہ کی جائے اور کسی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا قبول بھی زیادہ ہوتی ہے۔لیکن اجتماعی دعا کے لئے بیٹھنے اور اسے ہی تعزیت کا ذریعہ بنانے کا ذکر نہ سنتِ رسول ﷺ میں موجود ہے اور نہ ہی صحابہؓ سے ماثور ہے۔انسان کو گاہے بگاہے قبرستان جانا چاہئے تاکہ قبر یاد رہے۔

☆ میت پر جزع فزع کرنے اور بین ڈالنے والوں پر آپؐ نے لعنت فرمائی ہے۔آپؐ نے فرمایا:

[لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَوَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰى بِدَعْوىَ الْجَاهِلِيَّةِ]

''وہ ہم سے نہیں جو چہرے کو پیٹے اور کپڑے پھاڑے اور دورِ جہالت کی پکار لگائے۔'' (متفق عليه)

☆ مالی صدقہ کے لئے کچھ احادیث میں جواز موجود ہے۔لیکن بدنی عبادات کے لئے کوئی اثر موجود نہیں۔حضرت عاص بن وائل نے سوال کیا کہ میرے باپ نے غلام آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی تو کیا میں اس کے لئے اونٹ ذبح کروں؟ آپ نے فرمایا:

[اَنَّهٗ لَوْ كَانُ مُسْلِماً فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْحَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ] (رواہ ابو داؤد)

''بے شک اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا دعا کرتے تو اسے پہنچ جاتی۔'' (گویا یہ بھی وصیت کی ادائیگی کے لئے تھا)

مندرجہ ذیل رسومات صرف ہندوستان میں مختلف صورتوں میں رائج ہیں اور یہ بھی سب کی سب ہندو مذہب سے ہمارے معاشرے میں رواج پا گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے تین دن سے زائد سوگ کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ تیجا یا سوئم' ساتواں یا دسواں' چہلم یا چالیسواں (یہی وجہ ہے کہ یہ سارے نام ہندی زبان کے اور ان کے لئے کوئی عربی کی فقہی اصطلاح موجود نہیں ہے) ہندوستان ہی کے رواج ہیں لیکن آج کل بہت سے لوگ انہی رسومات کو فرض بنائے بیٹھے ہیں اور زندگی میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے احکامات دیئے ہیں اور فرائض عائد کئے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ ان رسومات کی پابندی کو دین بنا دیا گیا ہے اور ان کے ذریعہ زندگی کے فرائض ادا نہ کرنے کا مداوا اور بدل بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ دین کا علم نہ رکھنے والے اکثر مسلمان ان رسموں کو بخشش کا ذریعہ سمجھ کر پوری زندگی فرائض کی ادائیگی سے بھی اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔

فرض آپ کو پکار رہا ہے

بے شک آپ پابندی سے نماز پڑھتے' روزے رکھتے ہیں' زکوٰۃ کا بھی اہتمام' استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں۔ آپ اسلامی وضع قطع کے بھی پابند ہیں' حلال وحرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس تقویٰ وطہارت کے لوازم کا بھی التزام رکھنے کے باوجود نوافل واذکار' صدقہ و خیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں' اس لئے کہ آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں آپ تنہا ہی نہیں ہیں' آپ کی طرح شریعت کے احکام و آداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے امت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو اس کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ اپنی عبرتناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیروؤں سے آگے ہیں۔ امت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں' جن کے سیرت وکردار آئینے کی طرح صاف ہیں' جن کا تقویٰ ہر شبہ سے بالاتر ہے' اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے اور حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کے ٹکر کے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہونے کے باوجود ان کے پاس ہر طرح کے وسائل وذرائع ہیں۔ اس کے علاوہ کوئلہ' پٹرول' لوہا' سونا اور زراعت بھی ہے۔ دولت مندی کے ساتھ دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں ہیں۔

مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت وحکومت کے باوجود سب سے زیادہ وہ ذلیل وخوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے' نہ ان کی اپنی کوئی رائے' نہ منصوبہ نہ وقار اور نہ ہی کوئی اعتبار' انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کر سکتی ہے' لیکن اجتماعی حیثیت میں دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ بجوائے الفاظ قرآنی جو سورۃ البقرہ نمبر ۸۵ میں وارد ہوئے

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

فرمان الٰہی ہے! ''کیا تم ہماری کتاب وشریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے (جیسا کہ اکثر ہمارا حال ہے یعنی جو اللہ

کے احکام ہمیں پسند ہوں وہ تو اپنا لیتے ہیں اور جو ذرا دل کو بھاری لگیں ان سے روگردانی ہمارا وطیرہ بن چکا ہے) جو تم میں سے یہ حرکت کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ ہم اسے دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار کردیں اور آخرت میں اشد ترین عذاب میں جھونک دیں۔ **مَعَاذَ اللّٰهِ ثُمَّ مَعَاذَ اللّٰهِ**

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو ایک ٹوٹا ہوا تارا

امت کے فرد ہونے کے ناطے آپ کا مستقبل بھی اس سے وابستہ ہے' کیا آپ کو یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ امت کو اس ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کے لئے پھر بے تاب کر دیا جائے۔ اے نوجوان مسلم اصل بات یہ ہے کہ امت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے' جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا فرمایا۔ امت مسلمہ عام امتوں کی طرح کوئی خودرو امت نہیں اس کو اللہ نے ایک خاص منصوبے کے تحت عظیم مقصد کے لئے وجود بخشا۔ اللہ نے اس کی زندگی کا وہی مشن قرار دیا جو اپنے اپنے دور میں پیغمبروں کا مشن رہا۔ نبوت کا سلسلہ نبی امی ﷺ پر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنا۔ نوع انسانی تک اللہ کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی دنیا تک اسی امت کو انجام دینا ہے' یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے' اسی کی خاطر اللہ نے اسے ایک امت بن کر رہنے کی تاکید کی ہے' اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

''تم کو ایسی امت بن کر رہنا چاہئے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے''

اُمت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو' اگر یہ دل دھڑکنا بند ہو جائے تو پھر انسانی جسم' جسم نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے۔ جیسے فرمان نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةٌ فَاِذَا صَلَحَتْ صَلَحَتْ جَسَدُ كُلُّهٗ فَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَتْ جَسَدُ كُلُّهٗ وَهِيَ قَلْبٌ))

(رواه مالك)

''آگاہ ہو جاؤ تمہارے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اگر کہیں اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور یہ ''دل'' ہے''۔ اس لئے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

ٹھیک یہی حیثیت دعوت دین کی بھی ہے اگر امت یہ کام سرگرمی سے انجام دے رہی ہے' اللہ کے منصوبے اور منشا کے مطابق امت میں صالح عناصر کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر صالح عنصر چھٹ رہا ہے' نیکیاں پنپ رہی ہیں اور برائیاں دم توڑ رہی ہیں تو امت زندہ ہے اور عظمت اور عزت اور وقار و سربلندی اس کی تقدیر ہے' لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے' دعوت غلبہ دین کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم اور مردہ ہے۔ اللہ رب العزت کے نزدیک بھی اس کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر اسے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ اگر اسے احساس ہی نہ رہے کہ مجھے کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اللہ کو اس کی کیا پروا کہ کون اسے پیروں میں روندرہا ہے اور کون اس کی عزت سے کھیل رہا ہے۔

آپ کے ہاتھ میں بندھی ہوئی یہ قیمتی گھڑی یقیناً آپ کی نظر میں ایک نعمت ہے' آپ نے اس کو اس لئے اپنے ہاتھ پر جگہ دی ہے کہ یہ آپ کو صحیح وقت بتائے اور آپ اپنے اوقات کو منظم کر کے ٹھیک وقت پر اپنے سارے کام انجام دے سکیں اگر یہ گھڑی اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام

دے تو آپ اسے اپنے ہاتھ کی زینت بنائے رکھتے ہیں' اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کو گوارا نہیں ہوتا کہ اس پر پانی کی ایک بوند پڑے' اس کے نازک شیشے کو ذرا سی ٹھیس لگے یا کسی چیز سے ٹکرائے لیکن گھڑی کی یہ ساری قدر و منزلت اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا یہ اہتمام اس وقت تک ہے جب تک وہ صحیح وقت بتاتی ہے' اگر وہ بار بار بند ہونے لگے' کبھی آدھا گھنٹہ تیز ہو جائے اور کبھی ایک گھنٹہ سست چلنے لگے۔ آپ بار بار اس سے دھوکہ کھائیں۔ آپ کے پروگرام اس سے متاثر ہونے لگیں اور وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو جس کی خاطر آپ نے اسے اپنے ہاتھ پر جگہ دی تھی تو کیا آپ یہ برداشت کریں گے کہ پھر بھی وہ آپ کے ہاتھ کی زینت بنی رہے' اور آپ اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہیں؟ یقیناً آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ گھڑی نہیں چند پرزوں کا مجموعہ ہے اور پیتل کے چند ٹکڑے ہیں' اس کی مناسب جگہ انسان کا قابل احترام ہاتھ نہیں بلکہ کباڑیئے کی دکان ہے اور پھر آپ کو اس کی کیا پروا کہ کباڑی اس کو کہاں ڈالتا ہے اور اس کو کس بے دردی کے ساتھ کوٹتا اور توڑتا ہے یا کوئی اس کو بھٹی میں گلاتا ہے۔ آپ کے نزدیک تو بجا طور پر اس کی جو کچھ قدر و منزلت تھی اسی بنا پر تھی کہ وہ صحیح وقت بتائے اس لئے کہ بنانے والے نے اسے اسی لئے بنایا تھا' اور آپ نے ایک بڑی رقم دے کر اسی لئے خریدا تھا۔

خدا نے امت مسلمہ کو اسی لئے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسروں تک خدا کا دین پہنچائے سوسائٹی میں نیکیوں کا پرچار کرے اور برائیوں کو مٹائے۔ جب تک وہ اپنے فرض کو انجام دیتی رہے گی۔ خدا کی نصرت وحمایت بھی اسے حاصل رہے گی' وہ اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہوگا اور اسے عظمت و وقار کی بلندیوں سے سرفراز بھی فرمائے گا۔ قرآن کا فتویٰ ہے: ﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ غلبہ تمہارا ہی ہوگا اگر تم ایمان والے رہے۔ لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے تو پھر نہ اس کی کثرتِ تعداد اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے' نہ دولت وحکومت اس کے کام آسکتی ہے' نہ تسبیح وتہلیل اور نوافل واذکار کی کثرت سے وہ عظمت رفتہ کو پا سکتی ہے' اور نہ یہ انفرادی دینداری اس کو خدا کے غضب سے بچا سکتی ہے' اگر دنیا میں ہر طرف بگاڑ ہو اور خدا کے بندے خدا کو بھول کر اپنی من مانی کر رہے ہوں اور آپ ان سے بےفکر صرف اپنی فکر میں لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ خدا کا عذاب بہت قریب ہے اور پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہ سکے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَوۡحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبۡرِيۡلَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اَنِ اقۡلِبۡ مَدِيۡنَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيۡهَا عَبۡدُكَ فُلَانًا لَمۡ يَعۡصِكَ طَرۡفَةُ عَيۡنٍ قَالَ فَقَالَ اَقۡلِبۡهَا عَلَيۡهِ وَعَلَيۡهِمۡ فَاِنَّ وَجۡهَهُ لَمۡ يَتَمَعَّرۡ فِیۡ سَاعَةٍ قَطُّ))

(مشکوۃ باب امر بالمعروف عن جابرص)

''خدائے بلند و برتر نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ ایسی' ایسی بستی کو الٹ دو۔ جبریل نے کہا' پروردگار ان میں تو تیرا نیک بندہ ہے۔ جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے۔ پروردگار نے کہا' ہاں جبریلؑ: بستی کو اس پر بھی الٹ دو اور دوسروں پر بھی۔ اس لئے کہ ان بستیوں میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔''

یہ حدیث اگر آپ کے اندر کوئی بے تابی پیدا کرے تو اس کی قدر کیجئے اور خدا سے دعا کیجئے کہ وہ اس بے تابی میں اضافہ کرے۔ آپ کا فرض آپ کو پکار رہا ہے' اور یہی بے تابی آپ کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا
بڑھا دیجئے میری بے تابئ دل

اور وہ فرض ہے اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ دین اسلام کو قائم کرنے کی جدوجہد تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پوری زندگی گزر سکے اور اجتماعی زندگی میں اس کے تقاضے بیان کئے جا رہے ہیں۔

چوتھا گوشہ

اسلام کا معاشرتی نظام

دین اسلام کے اجتماعی نظام میں سب سے اوّلین، قدیم ترین اور اہم ترین گوشہ ہماری معاشرتی زندگی ہے۔ اس دنیا میں جن تعلقات میں انسان کو جوڑ دیا ہے وہ خاندانی تعلقات ہیں جس سے معاشرے کی بنیادی اکائی وجود میں آتی ہے۔ اگر اس اجتماعیت کو صحیح طریق پر ڈال دیا جائے تو تمدن اور معاشرہ مثالی بن جاتا ہے۔ اسی لئے تمدن و معاشرت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا قانون، چوری کی حد، شراب کی حرمت اور معاملات میں جلد انصاف کی تاکید کر کے چند مستقل قاعدے دیئے ہیں کہ معاشرتی فساد مٹ جائے کیونکہ اگر یہیں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر تمام شہری زندگی میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اگر دین اسلام بطور دین نافذ کر دیا جائے تو معاشرتی سطح پر اسلام ان قدروں کو معاشرہ میں پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ معاشرتی زندگی صحیح بنیادوں پر استوار ہو۔

1۔ چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا بلکہ عزت و شرافت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہوں گے۔

مساوات انسانیت ــــ یہ اصول اسلام نے پوری انسانیت کے لئے دیا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات :23)

''اے انسانو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں کنبے اور قبیلے بنا دیا ہے تا کہ آپس میں پہچان کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

اسلام کی اس تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ آج نسلی برتری ایسا اژدھا بن گیا ہے اور قومی تعصب اتنا بڑھ گیا ہے کہ ایک قوم کا آدمی مارا جائے تو اس کے بدلے میں پوری بستی کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے اور ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ اور عزت و ذلت ہی اصل الاصول کے طور پر ہر جگہ رواج پایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کو خاص تاکید کی ہے کہ اپنے معاملات میں اخوت حریت اور مساوات کا خاص اہتمام کیا جائے۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات) بیشک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

یہ تھا وہ معجزہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا کہ عربوں میں وہ معاشرہ پیدا کیا کہ جہاں واقعی قدر تقویٰ قرار پایا اور خاندانی، نسلی امتیازات ختم کی گئیں اور یہ اصول دیا گیا کہ [لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى الْاَعْجَمِيِّ وَلَا لِاَعْجَمِيٍّ عَلَى الْعَرَبِيِّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلَى

الْاَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلَی الْاَحْمَرَ۔ کُلُّکُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ بِنْ تُراب] ''کسی عربی کوکسی عجمی پرکوئی فوقیت نہیں ہےاورکسی عجمی کوعربی پر اور نہ کسی سرخ روکوکالے پراور نہ کسی کالے کوگورے پر۔تم سب آدم کی اولاد ہواور آدم کومٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔'' حضرت عمرؓ جیسے قرشی بھی حضرت بلالؓ کوسیدنا بلال کہا کرتے تھے اور غلام اوران کی اولاد بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہوئے۔ عائلی زندگی میں اللہ تعالٰی نے حجاب شرعی، مرد کی قوامیت، شوہر، بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق، طلاق و خلع کے احکام، تعدد ازدواج کی مشروط اجازت، زناوقذف کی سزائیں مقرر کرکے ایسی حدیں کھڑی کردی ہیں کہ انسان کے حقوق وفرائض کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی ہوسکے اور گھر ظلم ستم کی دوزخ نہ بن سکے اورعورتوں کی شیطانی آزادی کا طوفان نہ اُٹھ سکے جوانسانیت کوغارت نہ کردے۔

2۔ پردے کے شرعی احکام نافذ کرکے خواتین کی عزت ووقار کی پوری حفاظت کی جائے۔اسلام کے خاندانی نظام کے تحت خواتین کومعاشی کفالت کی پوری ضمانت ہوتا کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کرسکیں۔مرد پر حال کی ذمہ داری اورعورت کی ذمہ داری بقائے نسل اوراس کی تربیت قرار پائے۔

بتول باش پنہاں شو ازیں عصر
در آغوش تو شبیر بگیری
عصرحاضر کے تقاضاؤں سے ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفرین

ستر___ مردکیلئے ناف سے لے کرگھٹنوں تک۔عورت کیلئے پوراجسم سوائے چہرہ،ہاتھ اور پاؤں کے۔

حجاب: چہرہ کو چھپانا سوائے آنکھوں کے۔ چادر/ برقعہ کے ذریعے۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلاَّ مَا ظَھَرَ مِنْھَا﴾ (النور)

''فرمادیجئے مومن عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر وہی جواس میں سے کھلا رہتا ہے۔''

﴿یَآیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِھِنَّ﴾ (الاحزاب)

''اے نبی ﷺ فرمادیجئے اپنی بیویوں، بیٹیوں اورمسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں اپنی چادر کا پلو۔''

یہ ہیں اسلام کی وہ خاندانی حدود جن کوآج مغرب منہدم کرنے پرتلا ہوا ہے۔تاکہ مسلمان بھی ان جیسے ہوجائیں۔ان میں روشن خیالی آجائے۔اگر میری بیوی بے پردہ پھررہی ہے یا زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو کیا ہے، یہ اس کی خواہش اورمرضی ہے۔میری بیٹی اگر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ راتیں گزارتی ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ یہ ہے لبرل ازم اورروشن خیالی جسے ہمارے صدر صاحب بھی اسلام کوروشن خیال بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔عورت کوبھی اس طرح طلاق کا حق ہونا چاہئے جیسے مرد کو پھر گھریلو ذمہ داریاں اور ولادت کی خدمات پروہ اپنے شوہر سے اجرت طلب کرسکے۔ یہ ہے سوشل انجینئرنگ (Social Engineering) جس کے ذریعہ اپنے معاشرے کی نئی تعمیر کرنی ہے۔اس کے لئے عورتوں کا 33 فیصد کوٹہ رکھا گیا ہے جو دنیا کے کسی ملک میں بھی نہیں ہے۔امریکہ اور بھارت جمہوریت کے چیمپئن ہیں لیکن وہاں بھی یہ

کوٹہ نہیں ہے بلکہ عورتیں عام طریقے سے الیکشن لڑتی ہیں اور پارلیمنٹ میں آتی ہیں۔اس کے لئے اب نیا سلیبس ترتیب دیا جارہا ہے جو قوم کے ہونہاروں کو پڑھایا جائے گا۔

3۔ اسلام خواتین کے جائز حقوق جو ملکیت اور وراثت میں ہیں اُن کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں تعلیم، صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں پردے اور ستر کے احکامات کو مدنظر رکھ کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی پوری آزادی دیتا ہے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ایسے ادارے بنائے جائیں جن میں صرف عورتیں کام کریں اور عورتیں نگران ہوں۔گھریلو انڈسٹری کو رواج دیا جائے۔

4۔ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔قتل، چوری اور ڈاکے کے علاوہ زنا اور تہمت زنا کی بھی جڑ کٹ جائے۔ نمائش اور بے حیائی کی روک تھام کی جائے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف 33)

فرما دیجئے بے شک میرے رب نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ اور ناحق ظلم کو۔کیونکہ بے حیائی تو غیرت کا جنازہ نکال دیتی ہے۔اس لئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o﴾ (المائدہ :33)

بے شک جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور زمین میں فساد کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں مخالف سمت سے یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔یہ ان کے لئے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

قذف کی سزا

جو شخص خواہ مخواہ بے حیائی کو پھیلائے اور دوسروں پر الزام لگائے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ (النور)

جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

5۔ سماجی برائیوں جیسے رشوت، فضول خرچی، نمود و نمائش کے لئے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کے ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

یہ اگرچہ اخلاقی تعلیم ہے لیکن اس کے لئے بھی قانون سازی ہو سکتی ہے، مکانوں پر پابندی، سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ صحابہؓ کے مطابق تعامل سے ہندوانہ رسومات پر پابندی، جہیز پر پابندی وغیرہ۔قرآن مجید ان فضولیات کو شیطان کا عمل قرار دیتا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان کے بھائی۔﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل 26،27)"اور دو اپنے قرابت داروں کے حقوق اور مسکینوں اور مسافروں کے، اور فضول خرچی نہ کرو، بیشک فضول خرچ کرنیوالے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔اور بیشک شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔"

6۔ مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہو اور جھوٹی گواہی کا کا خاتمہ ہو جائے۔ دیوانی معاملات میں فیس، وکلاء کا رول اور ان کی فیسوں کا معاملہ ایسے طریقہ سے طے پائے کہ انصاف خریدنا نہ پڑے بلکہ جلد از جلد ملے۔ دیوانی معاملات میں اب کتنی بڑی کورٹ فیس ہے جو ادا کرنا پڑتی ہے تب جا کر آپ انصاف حاصل کر سکتے ہیں اور وکلاء کے اخراجات اس پر مستزاد اور یہ کہ سال ہا سال کیس فیصلہ ہی نہیں ہو پاتے۔ اسلام نے ریاست کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ جلد از جلد مجرم کو پکڑ کر سزا دے تاکہ باقی معاشرے کے لئے عبرت کا سامان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام کی حدود نافذ ہیں وہاں آج بھی معاشرہ امن کی زندگی گزارتا ہے اور جہاں جمہوریت کے دعویداروں نے اسلام کی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر ان کے نفاذ سے گریز کیا ہے وہاں جرائم کی بھرمار ہے اور انسانی خون کی ارزانی ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے حدود کا نفاذ تو کیا لیکن طریق کار وہی جاری رکھا جو سیکولرزم کا دیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی حدود مذاق بن کر رہ گئیں اور آج بھی روشن خیال عورتیں ان کو ختم کروانے کے لئے قانون سازی پر مصر ہیں۔

7۔ سب کے لئے ایک ہی جیسا نظام تعلیم ہو۔ امراء کے لئے نظام تعلیم اور..... اور غرباء کے لئے اور، یہ تعلیم میں شرک ہے جو ختم کرنا ہوگا۔ اس میں قدیم اور جدید...... دینی اور دنیاوی کی کوئی تقسیم نہ ہو۔ میٹرک کی حد تک لازمی تعلیم مفت ہو۔ جیسے ناروے کی مثال ہے، سعودی عرب کی مثال ہے کہ وہاں نظام تعلیم ایک ہے اور میٹرک تک تعلیم بھی مفت ہے۔ یہ سب سے بڑا معاشرتی ظلم ہے جو ہمارے ہاں موجود ہے اور اسے اسلام کے منافی نہیں سمجھا جا رہا کیونکہ جن کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ اس ظلم پر مبنی نظام سے مفادات اٹھا رہے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ عوام ان کے برابر آ سکیں اور ان کے اختیارات واقتدار میں شریک بنیں۔ اس لئے ان کو آگے بڑھنے کے مواقع ہی نہ مہیا کرو۔ ان کے بچے بس کلرک بن سکیں یا فوج اور پولیس میں سپاہی بھرتی ہو سکیں اور ان کی حفاظت کے فرائض ادا کر سکیں باقی بڑی بڑی مراعات والی پوسٹیں ان کے لئے مخصوص رہیں اور غریب ان تک نہ پہنچ سکیں۔ تعلیم کو NGO's کے حوالے کرنے کا اصل یہی مقصود ہے۔ اگر ایک جیسا نظام تعلیم ہو تو طالب علم اپنی قابلیت کی بنیاد پر آگے بڑھیں تو ان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے چہیتے کیسے مقابلہ کر سکیں گے اور مزدور اور کاشتکار کا بیٹا مقابلے میں آ جائے تو یہ تو اُن کے استحقاق پر زد پڑتی ہے اور ان کی حیثیت ختم ہوتی ہے۔

پانچواں گوشہ

اسلام کا معاشی نظام

اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ذاتی ملکیت کا حق بھی دیا ہے لیکن فرضیت زکوۃ، سود کی حرمت، جوئے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون اور دولت کمانے اور خرچ کرنے پر پابندیاں عائد کر کے سرحدیں مقرر کر دی ہیں تاکہ شخصی آزادی کے ساتھ طبقاتی جنگ سے بھی بچا جا سکے تاکہ ظالمانہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور مزدور کی ڈکٹیٹر سب سے بچا جا سکے۔

معیشت کے گوشے میں اسلام یہ تصور دیتا ہے کہ اس زمین پر جو وسائل اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان کو استعمال کرنے کا حق انسانوں کو دیا گیا ہے لیکن یہ حق حاصل کرنے میں کوئی حد سے نہ بڑھ جائے اور دولت صرف خوشحال لوگوں ہی کے اندر گردش نہ کرے کچھ پابندیاں عائد کی ہیں اور کچھ حصہ ان سے وصول کرنے کا اختیار ریاست کو دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو بنیادی ضروریات مہیا کی جا سکیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر) تاکہ دولت صرف سرمایہ داروں میں ہی گردش نہ کرتی رہے اور فرمایا ﴿فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ o لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ o﴾ (المعارج) ''ان کے اموال میں ایک حصہ مقرر ہے مانگنے والوں اور محرومین

کیلئے۔'' چنانچہ مال تجارت' زیورات اور نقدی پر ڈھائی فیصد' بارانی اجناس پر 10 فیصد اور چاہی زمین کی اجناس پر 5 فیصد اور مویشیوں یعنی گائے' اونٹ' بھیڑ' بکری وغیرہ پر ایک معین تعداد ہونے کے بعد زکوۃ عائد کی ہے۔ ان وسائل کے ذریعہ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا' لباس' رہائش' تعلیم اور علاج مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس میں شامل ہوگی جزیہ کی رقم جو غیر مسلموں سے وصول کی جائے گی جو ان کی ضروریات اور حفاظت پر خرچ ہوگی۔ بقول علامہ اقبالؒ

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس
نقطہ ایں شرع مبیں است و بس

کیونکہ یہ انتظام ریاست کی ذمہ داری ہوگی اس لئے کوئی شخص کسی دوسرے کا ممنون احسان نہ ہوگا۔ ریاست اصل میں اللہ تعالیٰ کی تفویض کی ہوئی ذمہ داری کی وجہ سے ہر شہری کے لئے رزق اور حفاظت کا بندوبست کرے گی جو اصل ذمہ داری ہے رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ کی۔ جس کے لئے فرمایا ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍo ﴾ (الھود ۷) اور زمین پر جو بھی جاندار ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اس لئے وہ اپنی مخلوق کے جائے قرار کو اور مہلت عمر اور واپسی کی جگہ کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ ایک واضح کتاب میں موجود ہے اور یہ وسائل اس نے تمام مخلوقات کیلئے پیدا کئے ہیں اور اس میں کمی بیشی کی اصل وجہ یہی آزمائش ہے کہ کون ہے جو بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرتا ہے اور ریاستی سطح پر ان حقوق و فرائض کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ صاحب اموال پر اسکے علاوہ بھی حقوق عائد کئے ہیں جس کی حد یہاں تک معین کی ہے کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں دے دیا جائے۔ اسلام نے اسے قانون نہیں بلکہ ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے تا کہ دیکھا جائے کہ آخرت کی زندگی کو اصل زندگی ماننے والے اس کے لئے سرمایہ کتنا لگاتے ہیں اور اس عارضی رہائش کے لئے کیا جمع کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری طرف دولت کمانے کے ناجائز ذرائع کو روکنے کے لئے سود' جوئے' لاٹری' سٹے' دوطرفہ آڑھت اور خرید و فروخت میں ناجائز منافع خوری کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے تا کہ سرمایہ داری کی جڑ کٹ جائے اور سرمایہ کاری کا فروغ ہو۔ چنانچہ فرمایا ﴿ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوOيَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ﴾ (البقرہ:276-275)

''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹانا اور صدقات کو پروان چڑھانا چاہتا ہے''۔ سود کھانا سب سے بڑا گناہ ہے معاملات میں جیسے عقائد میں شرک۔ بقول علامہ اقبالؒ

از ربا جان تیرہ دل خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ

سود سے دل سیاہ اور پتھر بن جاتا ہے اور آدمی بغیر پنجہ اور نوکیلے دانتوں کے بھیڑیا بن جاتا ہے اور فرمادیا اگر تم سود لینے سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان جنگ ہے۔ ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنوا اتقو اللّٰه وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَOفَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (البقرہ) ''اے ایمان والو اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو اور جو بھی سود ہے اُس کو چھوڑ دو اگر واقعی ایمان کے دعویدار ہو۔ اگر تم نے یہ نہ کیا (یعنی سود نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' آج

پوری دنیا اور اسلامی ممالک میں (Interest Based Capitalism) سود پر مبنی سرمایہ داری نظام چل رہا ہے۔جس میں اصل طاقت سرمایہ کو حاصل ہے۔سرمایہ از خود بغیر محنت کے کمائی کر رہا ہے۔آپ جیسے بھی ڈاکہ ڈال کر، غبن کر کے، رشوت لے کر ایک دفعہ ایک بھاری رقم بینک میں جمع کرا دیں تو ہر ماہ سود ملتا رہے گا۔اس کے ساتھ آ گیا جوا (Speculation) اور پھر انشورنش جو اصل میں سرمایہ کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔یہ سب سے بڑا معاشی ظلم ہے جسے اسلام ختم کرتا ہے اور محنت اور سرمایہ دونوں کا توازن اور تحفظ چاہتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید تو ترغیب دیتا ہے کہ اپنی بچت ان ترجیحات کے تحت لگاؤ۔

صدقہ کر دو، اس سے ایمان کی آبیاری ہوگی اور دنیا کے متاع قلیل کا تصور برقرار رہے گا جس کے بغیر دنیاوی زندگی کا حقیقی تصور ممکن نہیں۔اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو پھر قرض حسنہ کے طور پر دو، اور صرف اپنے مال کی واپسی تک محدود رہو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین انسانوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ انسان ہے جو انسانوں کیلئے سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔

اگر یہ منظور نہیں تو مضاربت و مشارکت کر لو تا کہ نقصان کے بھی حصہ دار بنو۔(محض چانس کی بنیاد پر اور صرف منافع میں شریک ہونے کی تمام صورتوں یعنی سود، جوا، سٹہ، فارورڈ ٹریڈنگ وغیرہ کو چھوڑ دو)

۳۔ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری جو برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد سے شروع ہوئی ہے کیونکہ پہلے تو یہ ساری زمین خراجی تھی اور ریاست کو اس کا خراج ملتا تھا لیکن انگریزوں نے آ کر اس کی حیثیت کو بدل دیا اور اپنے حامیوں کی ایک پوری فوج تیار کی جن کو جاگیریں عنایت کی گئیں۔

اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہم اجتہاد کہ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے تھے ان کی زمین ذاتی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسلامی ریاست کے بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے یا پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے متفقہ فتوے کی بنیاد پر مزارعت کو حرام قرار دینے میں مدد لی جائے اور اس کیلئے ایک بورڈ قائم ہو جو اس کا فیصلہ کرے تا کہ زمین کا سود ختم ہو۔

۴۔ اسلام شریعت کی حدود کے اندر رہ کر انفرادی ملکیت اور آزاد معاشی جدوجہد کی فضا برقرار رکھتا ہے۔اس لئے صحت مند اور جائز طریقوں سے مقابلے کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا چاہتا ہے تا کہ پیداوار میں اضافہ ہو۔نیز مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان عدل و انصاف اور باہمی سوداکاری کے ذریعہ اسلامی بھائی چارہ پیدا ہو۔مارکیٹ اکانومی برقرار رہے۔حکومت کی طرف سے ملازمین اور نجی اداروں کے ملازمین کے لئے یکساں تنخواہوں اور ترقی کا نظام ہو اور باہم سوداکاری کے ذریعہ معاملات طے پائیں۔(جب مزدور/ملازم کو بنیادی ضرورتوں کے مہیا ہونے کی ضمانت ہوگی تو بات مساوی بنیادوں پر ہو سکے گی۔)

۵۔ اسلام اصل میں اس دنیا کی ساری زینتوں اور آسائشوں کو صرف چند دن کے لئے برتنے کا سامان قرار دیتا ہے اور اصل نعمتیں صرف آخرت کی نعمتوں کو گردانتا ہے جو بہتر اور ابدی ہیں۔

﴿ فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌوَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَo﴾ (الشوریٰ) ''تم جو کچھ بھی دیئے گئے ہو وہ صرف دنیا میں چند دن برتنے کا سامان ہے اور بہتر اور باقی رہنے والا تو وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے اپنے ان بندوں کے لئے جو ایمان والے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں''۔

ان نعمتوں کی ناقدری اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ہمیں خدشہ نہ ہو کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ بن جائیں گے تو ہم رحمٰن کا

کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں، دروازے، تخت اور سیڑھیاں چاندی اور سونے کی بنادیں پھر بھی یہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر چند دن دنیا میں برتنے کا سامان، کیونکہ یہ انسان کا ساتھ نہیں دیتا اور مستقل رہنے والا نہیں ہے۔ اور فرمایا ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر تماشہ اور کھیل (ڈرامہ) اور بیشک آخرت کا گھر ہے زندگی گزارنے کی جگہ۔ کاش ان کو معلوم ہوجائے اور واقعی اس دنیا کے وسائل کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی ڈرامہ میں ان چیزوں کی حیثیت کہ جو کسی اداکار کو استعمال کے لئے دی جاتی ہیں۔ مثلاً جو بادشاہ کا رول ادا کررہا ہو اس کو تاج بنوا کر دیا جاتا ہے اور شاہانہ لباس مہیا کیا جاتا ہے اور وہ سامان بھی جس کے ذریعہ وہ دربار سجاتا ہے لیکن چونکہ وہ ان چیزوں کا مالک نہیں ہوتا اس لئے جب وہ اپنا رول ادا کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ یہ تاج اور شاہی لباس یہیں چھوڑ جاؤ اور جیسے آئے تھے ویسے چلدو۔ کیونکہ یہ تو تمہیں اتنی دیر کو برتنے کے لئے دیا گیا تھا یعنی حق تصرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے وگرنہ تمام وسائل اس نے مہیا کئے ہیں اور ان کا مالک حقیقی بھی وہی ہے اور یہ سب اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ ہے تصور کہ جو ان وسائل اور اسباب کے بارے میں قرآن دیتا ہے۔ ہاں آخرت کی آسائشیں اور سامان مستقل ہوگا جو دیا جائے گا تمام انسانوں کو ان کی کمائی اور کردار کی بنیاد پر اور وہ ہوگا ہمیشہ رہنے والا اور ساتھ دینے والا اور باقی رہنے والا۔ یہ ہے تصور جو انسان کو معاشی استحصال اور ظلم سے بچاتا ہے اور اسے پابند کرتا ہے کہ اپنا حق ہی حاصل کرے اور اسے بھی اس سے زیادہ وقعت نہ دے کہ یہ تو وقت گزارنے کا ذریعہ ہے اور ساتھ دینے والا نہیں ہے۔

<u>چھٹا گوشہ</u>

اسلام کا سیاسی نظام

انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا ہے اور اسی خلافت کے لئے اس کو مختلف صفات سے نوازا ہے۔ سب سے پہلے عہد الست کو اس کی فطرت بنایا ہے کہ مالک کا فرمانبردار بن کر زندگی گزارے اور اپنے حقیقی مالک ومنعم کو پہچانے پھر اسے زمین میں موجود اشیاء کو حواس خمسہ سے پہچاننے، مشاہدات میں لانے اور استعمال کرنے کی صلاحیت دی۔ پھر نیکی اور بدی کو الہامی طور پر اس کے سینے میں ودیعت کردیا'' تاکہ ظالم اور جاہل نہ بنے بلکہ مالک حقیقی کی بندگی اور ان کی مخلوقات کو مساوی درجہ دے اور ان پر حاکمیت قائم نہ کرے بلکہ اپنے آپ کو خلافت تک محدود رکھے۔

1- اسلام کی رو سے حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ قانون بنا سکے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف ہو اور وہ اس معاملے میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ سورۂ یوسف میں فرمایا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف) ''حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے''۔ ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ اَحَدًا﴾ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾
''وہ اپنے اختیار میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ (الکھف)
''اور اس کے اختیار میں کسی کا ساجھی پن نہیں ہے''۔ (الاسراء)

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

دنیا میں انسانوں پر دوقسم کی حاکمیت مسلط رہی ہے بادشاہت جوخود کوظل سبحانی کہلاتے تھے اور یورپ میں (Divine Right of Kings) اللہ کا عطا کردہ اختیار کہلاتا تھا اور اب جمہور کے نمائندے جو اصل میں سرمایہ دار، جاگیردار اور بیوروکریسی کی حاکمیت ہے جو اپنی حدود سے تجاوز اور اللہ کے حقوق میں مداخلت ہے۔ یہ سب سے بڑی سرکشی ہے جو انسان اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت عطا کی ہے نہ کہ حاکمیت۔ انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کی مخلوق ہے جس نے اسے پانی کی ایک ناپاک بوند سے پیدا کر کے اسمیں صلاحیتیں پیدا کی ہیں اور اس کیلئے مہلت عمر بھی اس نے معیّن کی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انسان مادی قوت کی بنیاد پر (جس کی لاٹھی اسکی بھینس کے اصول پر کارفرما ہے) انسانی حاکمیت کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ دوسرے پیران کلیسا جو خود کو اللہ کا مقرب اور خصوصی تعلق کا حامل سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر لوگوں سے نذرانے وصول کرتے ہیں بقول شاعر ؎

ایہہ گدیاں دے مالک ایہہ ویلڑ لٹیرے	میں سنیا اے سارے ایجنٹ نے تیرے
تیرے ناں تے لیندے چڑھاوے سلاماں	توں دتا انہاں نوں مختار نامہ؟
ایہہ ہتھ نہیں ہلاندے تے بانہہ نہیں ہلاندے	تے گدیاں تے بیٹھے نے موجاں اڑاندے
جے تیرے گھر وی وڈی چلدی پئی اے	تے ایہدے وچ تے تھانے وچ دس فرق کی اے

ایمان والوں کو قرآن مجید نے جو اُصول دیا ہے وہ یہ ہے ﴿ يَا يُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولُوْ الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنَ تَاْوِيْلاً ﴾ (النساء) ''حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے حکمرانوں کا (جنہوں نے قرآن وسنت کا قانون نافذ کیا ہوا ہو) لیکن کسی حکم کے بارے میں جھگڑا ہو جائے تو فیصلہ ہوگا' قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق۔'' (النساء) مستقل حکم تو اللہ کا ہے لیکن اس کے نفاذ کی صورت وہ ہوگی جو واضح کی اس کے رسول نے جو اس کا نمائندہ ہے انسانوں کی طرف۔ چنانچہ سورہ حجرات میں فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنِ آمَنُوا لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوْ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO﴾ (الحجرات) ''اے ایمان والو مت آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

پاکستان کے دستور میں یہی چیز جو قرارداد مقاصد کی صورت میں طے کر دی گئی ہے اگر اس کو صد فی صد نافذ کر دیا جائے تو دستوری لحاظ سے پاکستان واقعی اسلامی ریاست قرار پا جائے۔ اس سے استثنیٰ اصل میں شرک اور فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر رہ کر معاملات باہمی مشاورت سے طے کرنا اصل انسانی دائرہ کار ہے۔ ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

اس کو بڑے واضح طریق پر بیان کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے کہ مومن کی مثال تو ایک کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی مثل ہے۔ ''الفرس فی اخیّتِہٖ '' جو اس رسی کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا جس کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ یہ ہے وہ خلافت جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خلیفہ بنایا ہے۔ وہ اللہ کی معین کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر قانون سازی کا مجاز ہے۔ مطلق اختیار نہیں رکھتا کہ جو چاہے قانون سازی کرے جیسے آج کل کے جمہوری نظام میں اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس میں حاکمیت عوام کے نمائندوں کے پاس ہے وہ اسلام کے بھی مدعی ہیں لیکن حاکم حقیقی کے باغی۔ پارلیمنٹ چاہے تو سود کو حلال قرار دے دے۔ شراب کے پرمٹ ایشو کروا دے۔ صدر اور وزیر اعظم کو قانون سے بالاتر قرار دے دے۔ قرآن مجید کے احکامات سے صرف نظر کر کے اسے صرف کتاب ثواب قرار دے لیا جائے اور بغیر سوچے سمجھے اسے پڑھ کر ثواب حاصل کر لیا جائے اور زیادہ شوق ہو تو ایصال ثواب کر لیں وگرنہ اصل اختیار تو عوام کے نمائندوں کا ہے وہ جس قانون کی چاہیں

منظوری دے دیں۔اس میں کسی دین کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔

مشاورت کا معاملہ مباح کے دائرے کے اندر اندر ہے اور اس میں خلیفۃ المسلمین بھی اسی طرح ان حدود کا پابند ہوگا جیسے عام انسان ہے۔

2۔ خلافت راشدہ سے قریب ترین نظام صدارتی نظام ہے لیکن باقی نظام بھی مباح ہیں۔

3۔ ریاست کے کامل شہری صرف مسلمان ہوں گے اور ان کے حقوق شہریت مساوی ہوں گے اور وہ اسلام کے اصول مشاورت کے مطابق ریاست کا نظام چلائیں گے۔اسلامی ریاست چونکہ نظریاتی ریاست ہے اس لئے غیر مسلم کو قانون سازی میں رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

4۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص خواہ امیر ریاست ہو' صدر مملکت ہو یا وزیر اعظم ہو قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔ غیر مسلموں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ان کی جان' مال' آبرو کا تحفظ مسلمانوں کی طرح ہوگا۔وہ اپنی انفرادی زندگی میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے یعنی عقیدہ' عبادات اور رسومات میں آزاد ہوں گے اور اپنی نسل کو اس کی تعلیم بھی دے سکیں گے لیکن اسلامی ریاست میں اس کی تبلیغ نہیں کر پائیں گے۔حکومت کی سطح پر معاملات لازماً شوریٰ کے ذریعہ طے ہوں گے اور خلیفہ بھی شوریٰ کا پابند ہوگا۔خلیفہ اصل میں انتظامیہ کا سربراہ ہے کہ جو قانون پاس ہو اس پر عمل درآمد کروائے اور انتظامی معاملات اپنی صوابدید کے مطابق دستور کے اندر رہ کر چلائے۔

5۔ علاقائی' نسلی وقبائلی روایات میں سے جو شریعت اسلامی کے منافی نہ ہوں۔انہیں پورا تحفظ حاصل رہے گا البتہ عربی زبان کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دے کر اولین فرصت میں نافذ کیا جائے گا تا کہ عام شہری بھی اس قابل ہو سکیں کہ قرآن مجید کی تعلیم سے آشنائی حاصل کریں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو سمجھ کر ان کے نقش قدم پر چل سکیں اور اپنے حقوق کا شعور حاصل کر سکیں۔

عبادتِ رب

دین اسلام جو مشتمل ہے ایمانیات، عبادات، رسومات، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام پر۔جو ہماری زندگی کے مختلف گوشے ہیں۔ان کو پہلے مضامین میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اب ہمیں جاننا ہے کہ اس دین کی رو سے ہر انسان سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطالبہ ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے والوں سے کیا تقاضا ہے تا کہ ہر انسان یہ جان لے اور اپنے لئے کامیابی کی سیدھی راہ اختیار کر سکے۔

پہلا مطالبہ جو پوری انسانیت سے ہے وہ ہے عبادت رب۔

قافلہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے بعد یہ احساس بیدار ہوا کہ بحیثیت مسلمان ہم میں سے ہر ایک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرے اور محمد ﷺ کے امتی ہونے کے تعلق سے دین کے وہ فرائض ادا کرے جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔نتیجتاً قرآن مجید کی طرف رغبت بڑھی اور اس کا مطالعہ ہونے لگا۔ بہت سی حقیقتیں تو محترمی و مربی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کے دروس سے منکشف ہوئیں لیکن بعض کی طرف قرآن مجید نے از خود رہنمائی کی۔ان حقائق میں سے ایک حقیقت ''عبادت رب'' ہے۔عبادت اور رب کا تعلق اور پھر بندگی کے تقاضے ایک ترتیب سے ذہن میں ایسے سمائے کہ بہت سے اشکالات خود بخود حل ہو گئے۔محترم ڈاکٹر صاحب کے ذریعے جو فرائض دینی کا تصور علیحدہ علیحدہ اصطلاحات کے ذریعے سامنے آیا تھا وہ ایک نئی ترتیب سے واضح ہوا اور جب راقم الحروف نے تربیت گاہوں میں ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر لیکچر دینا شروع کیا تو اسی ترتیب کے ساتھ رفقاء کے سامنے بات رکھنے کی کوشش کی۔اب تحریر کے ذریعے کوشش کر رہا ہوں کہ اس فکر کو عام کروں۔تحریر و تصنیف کے ضمن میں اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے' لیکن اللہ کے بھروسے پر اس کام کا آغاز کیا ہے۔وللہ التوفیق فی الاولی والاخرۃ۔

سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے پیشگی آگاہ کر دیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسانوں سے باز پرس کریں گے جنہوں نے اللہ کی عبادت پر اپنی زندگی نہ گزاری ہوگی۔

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo وَاَنِ اعْبُدُوْنِى هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (یٰسین:60-61)

''اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے کیونکہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن تھا اور یہ کہ تم میری ہی بندگی کرو گے۔ یہ تھا سیدھا راستہ (جو تمہیں اختیار کرنا چاہئے تھا)''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی کوئی ایسا عہد ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا جس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔قرآن مجید اس بات کا جواب اثبات میں دیتا ہے کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ چنانچہ سورۃ الاعراف میں اس کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَo اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَo وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَo﴾ (الاعراف 172-174)

''(یاد کرو) جب تیرے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو خود ان کی جانوں پر گواہ ٹھہرایا اور پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (اس پر) تمام انسانوں نے اقرار کیا: کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ (ہم نے یہ عہد اس لئے لیا کہ) مبادا تم قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے یا یہ کہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا ہم سے پہلے اور ہم ان کی اولاد تھے (اس لئے ہم بھی مشرک ہو گئے) تو کیا تو ہمیں ان غلط کار لوگوں کی وجہ سے ہلاکت میں ڈالے گا؟ ہم اس طرح کھول کھول کر اپنی آیات کو بیان کر رہے ہیں تاکہ وہ باز آ جائیں اور ہماری طرف رجوع کریں۔''

گویا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے دونوں بہانوں کو رد کرنے کے لئے یہ عہد لیا تھا۔ایک یہ کہ وہ کہہ دیں کہ ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ ہمارا رب کون ہے اس لئے ہم کس کی بندگی کرتے اور دوسرے یہ کہ آباء پرستی' تقلید یا زمانے کے چلن کا عذر بھی نہ رہے چنانچہ یہ عہد ہر انسان سے فرداً فرداً لے لیا گیا۔

اب یہاں دو باتیں توجہ طلب ہیں عہد تو اللہ کے رب ہونے کا لیا گیا لیکن باز پرس اس پر کی جا رہی ہے کہ میری بندگی کیوں نہیں کی۔

دوم یہ کہ ہمیں تو یہ عہد یاد ہی نہیں ہے اس لئے ہم اس کے تقاضے کیسے پورے کریں۔

پہلی بات یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ عہد یاد رکھنے والا نہیں ہے بلکہ اس کو انسانوں کی فطرت بنا دیا گیا ہے کہ انسان جسے شعوری طور پر رب سمجھتا ہے اس کی بندگی لازماً کرتا ہے اور یہ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ سورۂ روم میں فرمایا گیا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (الروم:30)

''پس اپنے رخ کو اللہ کی اطاعت پر یکسو کر لو۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی اس تخلیق میں تبدیلی نہیں آتی۔''

یہی حقیقت ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ اِلَّا یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ وَفِی رِوَایَةٍ اَوْ یُشرِّکَانِہٖ))

مسند احمد

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسے یہودی، مجوسی یا نصرانی بنا دیتے ہیں''۔(ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ''یا اسے مشرک بنا دیتے ہیں۔''

یعنی یہاں اس کا رب بدل دیتے ہیں فطرت نہیں بدلتی۔ رہا پہلا سوال کہ عہد رب ہونے کا لیا ہے اور پوچھا جا رہا ہے بندگی کے بارے میں تو اس کو سمجھنے کے لئے جاننا ہوگا کہ رب کسے کہتے ہیں اور رب کو ماننے کا تقاضا کیا ہے۔ تو جان لیجئے کہ عربی میں رب کے بنیادی معنی مالک کے ہیں۔ جیسے رَبُّ الدَّارِ گھر کا مالک رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا مالک۔ مولانا علی میاں نے سیرت حضرت علیؓ میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جب ابرھہ نے جو یمن کا گورنر تھا خانہ کعبہ کو گرانے کے ارادے سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ وہ جب مکہ پہنچے اور پڑاؤ کیا تو اس کے لشکری عربوں کے اونٹ گھیر لائے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔ چنانچہ وہ ابرھہ کے پاس گئے۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی کہ سردار مکہ آیا ہے۔ میری منت سماجت کرے گا۔ لیکن جب اس نے آنے کی غرض پوچھی تو حضرت عبدالمطلب نے فرمایا تمہارے فوجی میرے اونٹ گھیر لائے ہیں وہ واپس کر دو۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا تو یہ کہ میرے اونٹ واپس کر دو۔ اس پر اسے بہت حیرت ہوئی کہ تمہیں اونٹوں کی پڑی ہے اور میں تمہارا معبد گرانے آیا ہوں۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے کہا﴿أنا رَبُّ الْإِبِلِ وإنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَمْنَعُہٗ﴾ میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے اونٹ لینے آیا ہوں اور بے شک بیت اللہ کا بھی ایک مالک ہے وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ تو انہوں نے لفظ رب استعمال کیا مالک کے لئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ کعبہ کو اللہ ہی کا گھر مانتے تھے۔

سورۂ قریش میں خاص طور پر یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے اور اسی بنیاد پر قریش مکہ سے بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے:

﴿فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ○﴾ (قریش :3`4)

''ان کو بندگی کرنی چاہئے اس گھر کے مالک کی جو انہیں بھوک میں کھانا کھلاتا ہے اور خوف سے امن بخشتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہی دو صفات یا ذمہ داریاں ہیں جو ہر مالک کی ہوتی ہیں۔ یعنی جس کا وہ مالک ہے اس کی پرورش کا سامان مہیا کرے اور اس کی حفاظت کا بندوبست کرے اور یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن مجید انسانوں کے ذہن نشین کرواتا ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانیں تا کہ وہ اس کی بندگی کریں۔ کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جسے مالک مانتا ہے اس کی بندگی لازماً کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے شروع ہی میں انسانوں سے جو بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے وہ اسی بنیاد پر کیا گیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاس اعْبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الارْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○﴾

(البقرہ :21-22)

''اے انسانو، بندگی کرو اپنے مالک کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، تا کہ تم بچ جاؤ۔ (وہ مالک) جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھا دیا ہے اور آسمان کو چھت بنایا ہے اور پھر اس نے بلندی سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے سے تمہارے لئے انواع واقسام کے میوے پیدا کئے پس (اس کی بندگی میں) کسی کو اس کا ہمسر نہ ٹھہراؤ اور یہ حقیقت تم

جانتے ہو(کہ رزق مہیا کرنے والا وہی ہے اور حفاظت کا بندوبست کرنے والا وہی ہے۔)'' یہ دونوں صفات ایسی بیان کی ہے اللہ کے رب(مالک) ہونے کی کہ دنیا میں بہت سے سرکشوں نے رب ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن کسی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ زمین میں نے پیدا کی ہے یا آسمان میں نے بنایا ہے اور بارش میں برساتا ہوں۔قرآن مجید نے اس لئے وہ نشانیاں بیان کی ہیں جو اصل مالک کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ''مطالبۂ عبادت'' اللہ کے رب ہونے کے ناطے ہے اور تخلیق کا ذکر تو اس لئے کیا ہے کہ جن کو تم رب مانتے ہو وہ تو اس کی مخلوق ہیں خواہ فرشتے ہوں انبیاء ورسل یا اولیاء اللہ۔ جیسے تم اس کی مخلوق ہو اور پھر رب کی صفات بیان کر دیں تا کہ اپنے رب کو پہچان لیں۔

دیکھئے کس طرح قرآن مجید نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِى كِتٰبٍ مُّبِيْنٍo﴾ (هود:6)

''اس زمین پر کوئی جاندار نہیں ہے مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کا رزق'(اس لئے) وہ ہر مخلوق کی جائے قرار کو جانتا ہے اور اس کے لوٹنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے۔ یہ سب کچھ واضح طور پر لکھا ہوا ہے۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ......﴾ (النحل:71)

''اور اللہ ہی ہے جس نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری عطا کی ہے''۔

اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو بار بار قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے کہ:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًاo﴾ (بنی اسرائیل:30)

''بیشک تیرا رب کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔ بیشک وہ خوب باخبر ہے اپنے بندوں سے' اور ان کو دیکھ رہا ہے''۔

اس معاملے میں انسان کو خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًاo﴾ (بنی اسرائیل:31)

''اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے ڈر سے قتل نہ کرنا' کیونکہ ہم رزق دینے والے ہیں ان کو بھی اور تمہیں بھی۔''

تم جب آئے تھے تو کون سی ضمانت لے کر آئے تھے کہ تمہیں رزق مل جائے گا اور اب اوروں کیلئے فکرمند ہو۔ یہ خوب جان لینا چاہئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں اور قوت کار بخشی ہے اور اس کائنات میں اس کیلئے وسائل بھی مہیا کئے ہیں کہ اپنی روزی حاصل کرے اور اس کیلئے محنت کرے لیکن روزی کا پالینا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ واضح فرما رہے ہیں۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ انسان جسے بھی اپنا روزی رساں' مشکل کشا اور محافظ سمجھتا ہے اسی کی بندگی کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے انسانوں کو باور کرایا ہے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo﴾ (العنکبوت:17)

''بے شک جن کی تم بندگی کرتے ہو اللہ کے سوا وہ تمہارے رزق کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ پس تم اللہ کے ہاں سے ہی رزق کے خواہاں بنو اور پھر اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر بجالاؤ اور یاد رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (وہ پوچھ لے گا کہ اس کے دیئے ہوئے رزق کو اوروں کی طرف کیوں منسوب کیا اور پھر ان کی بندگی کیوں نہ کی)۔''

اصل بات تو یہ ہے کہ رزق اور اجل کا معاملہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے معین کر دیا ہے اور یہی دو احتیاجات ہیں جن کے لئے انسان اپنے مالک حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کو ان کا مالک ومختار سمجھ لیتا ہے تو ان کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان باطل ارباب سے اپنے لئے روزی اور حفاظت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ان ہی کا بندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ رزق اور عزت کی حقیقت یہ ہے کہ

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ o وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِo﴾ (الفجر :15-16)

''انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے اور اسے دنیا کی آسائشوں سے نوازتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے، اور جب وہ آزمائش کیلئے اس پر رزق میں تنگی کرتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔''

حالانکہ دونوں کیفیتوں کا معاملہ صرف انسان کی آزمائش کے لئے ہے کہ وہ اس اجل معین کو کیسے گزارتا ہے اور اس رزق کو کس طرح حاصل کرتا ہے۔ آیا اللہ کو رب مان کر جائز طریقے سے محنت کرتا ہے یا بجائے خود مالی وسائل کو رازق سمجھ کر جائز و ناجائز ہر طرح کے ذرائع سے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بس یہی وہ فرق ہے جو اس کی زندگی کے بارے میں انسان کے تصور میں واقع ہوتا ہے۔ پھر وہ اسی تصور کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ رازق اور زندگی کی مہلت دینے والا صرف مالک کائنات ہے تو پھر وہ اللہ کے سوا کسی اور کا بندہ نہیں بنتا، اور اپنی عزت نفس کسی بھی قسم کی لالچ میں آ کر نہیں بیچتا، بلکہ ہر مشکل میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہمیشہ جائز محنت کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ رزق دینے والے کے ہاتھ میں میرا رزق ہے اور اس نے یہ وسائل جائز طریقے سے اور ظلم سے بچ کر استعمال کے لئے پیدا کئے ہیں اور یہی ہماری آزمائش ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! کوئی چیز تمہیں زیادہ قریب نہیں کرتی جنت سے اور دور نہیں ہٹاتی دوزخ سے مگر جو میں نے تمہیں حکم کی ہیں اور کوئی چیز دور نہیں کرتی جنت سے اور نزدیک نہیں کرتی آگ کے مگر وہ جن سے میں نے روکا ہے اور جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ القاء کیا ہے کہ کوئی نفس اپنا رزق مکمل ہونے سے پہلے نہیں مرتا تو خبردار اللہ سے ڈرو (اس کی نافرمانی سے) اور پاک طریقے سے (رزق) چاہو اور رزق کی جلدی پا لینے کی خواہش تمہیں ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے پر آمادہ نہ کرے کیونکہ اللہ کے ہاں جو کچھ ہے اس کو اللہ کی فرمانبرداری ہی سے پایا جانا چاہئے۔'' (بیہقی)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان عبث ایسی چیز کے پیچھے لگا رہتا ہے جو خود اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی رزق۔

تیسری بات اہم تر یہ ہے کہ انسان رزق کی ہوس میں سمجھ بیٹھتا ہے کہ حلال ذریعہ سے رزق تھوڑا حاصل ہوتا ہے اور حرام ذرائع سے جلدی اور زیادہ۔ حدیث اسے یہ سمجھاتی ہے کہ تمام مخلوق کا رزق اللہ کے پاس ہے تو پھر جس کے ہاتھ میں رزق ہے تم اس کی مخالفت کو کیسے رزق کا ذریعہ سمجھتے ہو یہاں حلال ذرائع پر اتنا ہی زور ہے جتنا تقویٰ پر (حرام سے بچنے پر) اور اس کا سہل نسخہ تقدیر ربانی کو یاد رکھنا ہے۔

دوسرا معاملہ ہے حفاظت کا، تو جان لیجئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر نگران معین کر رکھے ہیں جو اسکی حفاظت کرتے ہیں اور جب اجل معین آ جائے تو کسی کو اسکے محافظ نہیں بچا سکتے خواہ کیسا ہی اس نے حفاظت کا بندوبست کیا ہو۔ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ﴾ (سورہ الرعد ۱۱) ''ہر ایک پر نگران ہیں اس کے آگے اور پیچھے اور وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں'' (جب تک موت کا وقت نہ آ جائے کچھ نہیں ہوتا) اور جب آ جائے تو فرمایا ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (اے موت سے فرار چاہنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے محفوظ محلوں میں رہو۔ (النساء ۷۰)

یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہئے کہ اس دنیا میں اللہ نے جس شخص کو جہاں اور جن حالات میں پیدا کیا ہے اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن پھر اس دنیا میں اپنے مالک کو پہچان کر اور اس زندگی کی حقیقت کو جان کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرنے میں اس کے لئے کامیابی ہے اور یہ امتحانی وقفہ غفلت اور مالک کی نافرمانی میں گزار دینے کا نتیجہ خسارہ/ ہلاکت ہے۔ جان لیجئے کہ انسان اس دنیا میں ان سے بھی یہی کچھ چاہتا ہے جن کا اسے مالک مجازی بنا دیا گیا ہے۔ سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ (یٰسین ۷۱)

''کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں اور ان کو ان کی ملکیت میں دے دیا ہے۔''

یہاں تھوڑا سا رک کر سوچئے کہ واقعی ہم نے قرآن مجید کو غور وفکر کے لئے اور سوچ سمجھ کر پڑھنے کے لئے مانا ہوا ہے یا پھر صرف ثواب کا ذریعہ بغیر سوچے سمجھے پڑھ کر۔ اور بُرا نہ مانئے اب تو قرآن مجید ثواب کے لئے نہیں بلکہ ایصال ثواب کے لئے رہ گیا ہے۔ حالانکہ یہ تو زندوں کو رہنمائی دینے اور آگاہ کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے چنانچہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے اس لئے آپؐ پر نازل کیا ہے کہ ﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ آپؐ آگاہ کر دیں ان کو جو زندہ ہیں اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے اور وہ قیامت کے دن کوئی عذر نہ پیش کر سکیں کہ ہمیں معلوم نہ ہوا کہ زندگی کیسے گزارنا تھی۔ اب سوچئے اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ذرا سوچو! ہم نے چوپایوں کو پیدا کر کے تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے اس لئے جس شخص نے کوئی جانور گھر میں رکھا ہوا ہو تو وہ حقیقتاً خود کو اس کا مالک گردانتا ہے چنانچہ کبھی اس سے پوچھئے کہ یہ جانور کس کا ہے، تو وہ فوراً کہے گا یہ میرا ہے۔ یعنی اس کا مالک میں ہوں چنانچہ وہ اس جانور کے لئے خوراک مہیا کرنے اور اس کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اس ذمہ داری کو نبھاتا بھی ہے۔ لیکن اس جانور کی پرورش اور حفاظت کا سامان کرنے کے بعد وہ اس پر اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ وہ جانور اپنے مالک کی فرمانبرداری کرے۔ اگر وہ جانور مالک کی مرضی پر نہ چلے تو اسے غصہ آتا ہے اور وہ جانور کو سزا دینے سے بھی نہیں چوکتا۔ ایسا اس لئے ہے کہ وہ اسے مالک کا حق سمجھتا ہے کہ اس کا غلام اس کا فرمانبردار ہو اور وہ حق بندگی ادا کرے۔ چنانچہ یہی وہ مطالبہ ہے جو مالک کائنات ہر انسان کے سامنے قرآن مجید میں رکھتا ہے جیسے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾ ''اے لوگو! بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، پس بندگی اسی کی کرو، اور یہی سیدھا راستہ ہے۔'' (ال عمران ۵۱)

اب جان لیجئے بندگی کیا ہے؟ عبادت دو چیزوں کا مجموعہ ہے (محبت + اطاعت) یعنی مالک کو رب مان کر اس کی اطاعت، دل کی آمادگی کے ساتھ۔ گویا جس کے لئے انتہا درجے کی محبت ہو اور اس کی اطاعت کے تحت باقی سب فرمانبرداریاں ہوں وہ آپ کا رب ہے۔ جیسے فرمایا گیا سورہ توبہ میں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِي سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (توبہ :24)

''فرما دیجئے اگرتمہارے آباؤ واجداد تمہاری اولاد تمہارے بہن بھائی تمہاری بیویاں تمہارے رشتے دار اور وہ مال جو جمع کرتے ہو وہ تجارت جس کے مندے کا ڈر رہتا ہے اور وہ رہائش گاہیں جو تمہیں بہت بھلی لگتی ہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو (دفع ہو جاؤ) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے اور اللہ ایسی نافرمان قوم کو راہ یاب نہیں کرتا'' اور جیسے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ''کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانی آتی ہے'' ابوداؤد یعنی باقی سب اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں۔

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ پوری زندگی کا مالک ہے اس لئے وہ بندگی بھی پوری زندگی کی چاہتا ہے اور یہ اس کا حق ہے رب ہونے کے ناطے سے۔ جیسے تم اپنا حق سمجھتے ہو چوپایوں پر کہ وہ تمہاری اطاعت کریں اور وہ کام تمہاری مرضی کے مطابق کریں جن کے لئے تم نے ان کو پال رکھا ہے۔

اب آیئے اس دور کے اس مغالطے کی طرف کہ جس کی وجہ سے ہماری زندگیاں دورنگی کا شکار ہیں کہ ہم اللہ کو رب مانتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری نہیں کر رہے اور اس کی عبادت کا پورا حق ادا نہیں کر رہے۔ پہلے تو لیجئے ان انسانوں کا معاملہ جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، لیکن ان کی زندگیوں میں اس کی شہادت نہیں ملتی کہ وہ واقعی اللہ کے بندے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں تو صد فی صد یہی بات سچی ہے کہ ان کا اللہ کے رازق اور محافظ ہونے پر بالکل یقین نہیں ہے بلکہ وہ درحقیقت وسائل و ذرائع ہی کو روزی رساں مانتے ہیں، یا اللہ کے سوا کچھ دوسری ہستیاں ہیں جن کے متعلق انہیں گمان ہے کہ ان کے قبضہ قدرت میں نفع ونقصان کا اختیار ہے۔

کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے ذریعہ معاش کو بھی اپنا رازق و محافظ سمجھ رکھا ہے، اور اس لئے وہ بڑی چاہت کے ساتھ اس کی بندگی کے تقاضے پورے کرتے ہیں وہ اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں بھرپور طریقے پر اس کے لئے نچھاور کرتے ہیں۔ باقی رہا کبھی کبھار نماز روزہ تو بس ایک رسم کے طور پر وہ بھی وگرنہ اللہ کے رب ہونے پر ان کو فی الواقع یقین کی کیفیت حاصل نہیں۔ اگر یہ یقین ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ مالک کی رضا یا ناراضی کا خیال کئے بغیر اپنی روزی کی معاملے میں تو اپنا سب کچھ کھپا دیں لیکن اللہ کی فرمانبرداری کے بارے میں انہیں کبھی خیال تک نہ آئے۔ انہیں احساس ہی نہ ہو کہ مالک حقیقی نے کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور کن کو حلال کن برائیوں سے منع کیا ہے اور کن فرائض کا پابند کیا ہے کن عبادات کو لازم کیا ہے اور کن لغویات سے روکا ہے۔ اگر انہیں اللہ کے رب ہونے کا یقین ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ ان کو اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی توفیق نہ ہو لیکن دکان وقت پر ضرور کھولیں، انہیں اللہ کی ناراضی کا ڈر نہ ہو لیکن اپنے دفتر کے انچارج یا فیکٹری کے مالک کے بے دام غلام ہوں، انہیں اللہ کی رضا کا خیال نہ آئے لیکن وہ جسے اپنا رازق سمجھے بیٹھے ہیں اس کی چشم و ابرو کے اشاروں کو بھی پہچانیں اور ان کی خوشنودی کا کوئی موقع ضائع نہ جانے دیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس نے صبح نماز سے شروع کی (اور پھر باقی کام کئے) تو اس نے ایمان کے جھنڈے تلے صبح کی اور جس نے صبح بازار کے کام کاج سے شروع کی (بغیر نماز پڑھے) تو اس نے شیطان کے جھنڈے تلے صبح کی''۔ (ابن ماجہ)

میں اپنی بات کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں جس کا بہت سے لوگوں کو تجربہ ہوا ہوگا۔ چند حضرات کہیں محفل میں بیٹھے ہوں اور اذان کی آواز آ جائے اور ان میں سے کچھ مسجد کے لئے اٹھیں اور دعوت دیں کہ نماز کے لئے چلیں تو باقی حضرات کی زبان پر یہ الفاظ آ جائیں گے

کہ ہمارے لئے بھی دعا کرنا کہ ہم بھی نمازی ہو جائیں لیکن یہی لوگ صبح کوکسی سے نہیں کہتے کہ دُعا کرنا کہ میں دفتر چلا جاؤں یا دکان کھول لوں۔ بلکہ وہاں خود جاتے ہیں۔ ان کو اللہ کے رازق ہونے پر یقین نہیں ہے اس لئے اس کے در پر کیوں جائیں؟ جہاں سے رزق حاصل ہونے کا یقین ہے وہیں تو جائیں گے! یہ ہے اصل معاملہ کہ ان کی اپنی فطرت انہیں مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنے اس ''رب'' کی فرمانبرداری کے تقاضے پورے کریں جسے وہ اپنا رازق سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے دل میں اصل مالک اور رازق حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے در پر جانے کیلئے آمادگی نہیں ہے کیونکہ اسے وہ مالک اور رازق مانتے ہی نہیں۔

اب دوسرے لوگوں کا جائزہ لیجئے۔ یہ وہ ہیں جن کو یقین ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا بھی ایسی برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کی خوشنودی حاصل کرنا اور جن کی اطاعت کرنا عبادت ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ان ہستیوں کے ہاتھ میں رزق اور نفع وضرر کا اختیار ہے۔ یہ لوگ بھی اپنے ان باطل ارباب کی عبادت کا حق ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے' لیکن کائنات کے اصل مالک کی انہیں ذرا بھی پروا نہیں ہے' اس لئے کہ وہ اپنا رب ان ہی ہستیوں کو قرار دے چکے ہیں۔ دیکھ لیجئے کہ بزرگوں کے مزارات پر حاضری میں کبھی کوتاہی نہیں ہوگی' ان کے عرس کے مواقع پر خالص اشیاء نذرانہ کے طور پیش ہوں گی' لیکن باقی پورا سال اللہ کے مقرر کردہ حرام وحلال کی نہ پرواہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کے آگے سر بہ سجود ہونے کی۔ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے' غریبوں اور مسکینوں کی بدحالی پر کبھی ان کا دل نہیں پسیجے گا' رشوت خوری یا ملاوٹ' اور ناجائز منافع خوری کی انہیں کبھی پروا نہیں ہوگی' اس لئے کہ یہ چیزیں تو اس اللہ نے حرام قرار دی ہیں جس کی نافرمانی کا انہیں کوئی خوف نہیں ہے۔

اب آیئے تیسرے طبقہ کی طرف' یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا رب مانتے ہیں لیکن ان کے ہاں عبادت کا تصور یا تو محدود ہو گیا ہے یا مسخ شدہ ہے۔ ان لوگوں نے مراسم عبودیت اور اسلام کے ارکان ہی کو پوری عبادت سمجھ لیا ہے' باقی رہے تمدن' معاشرت' معیشت اور سیاست کے معاملات تو یہ ان کی نظر میں دنیاوی معاملات ہیں' جن کا عبادت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے مذہبی طبقات جو مختلف مسالک سے وابستہ ہیں اکثر وبیشتر اسی نظریہ کے حامل ہیں۔ اگر چہ زبانی طور پر تو وہ کہتے ہیں کہ دین زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی دیتا ہے لیکن عبادت کے لفظ کو انہوں نے صرف ارکانِ اسلام کے لئے خاص کر لیا ہے۔ اس دائرے میں وہ ذرا سی کوتاہی یا اختلاف کو برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں' لیکن زندگی کے باقی تمام معاملات میں ہر کسی سے اتحاد کرنے پر تیار ہوتے ہیں' خواہ وہ اسلام کو بطور دین مانے یا نہ مانے۔ گویا انہوں نے اسلام کو محض ایک مذہب کا درجہ دے کر اسے ہی کل دین سمجھ لیا ہے۔ ان کی مساجد' طریقہ نماز' مسائل روزہ و زکوٰۃ وحج تو مختلف ہیں لیکن طرز معاشرت' کاروبار اور طریق سیاست سب ایک جیسے ہیں' اور ان معاملات میں ان کا طرز عمل بالعموم اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ ان کی تبلیغ اور بحث ومباحثہ کی حدود بس مراسم عبودیت تک محدود ہیں۔ باقی رہا نظام معاشرت ومعیشت وسیاست تو خواہ مشرکانہ یا ملحدانہ ہو انہیں اس کی اتنی تشویش نہیں ہے جتنی اپنے مسالک میں اختلاف کی۔ ان کے مدرسوں اور مساجد پر حکومت کنٹرول کرنے کی کوشش کرے تو مرنے پر تیار ہوں گے لیکن طرز حکومت مغربی جمہوریت پر مبنی ہو' معیشت سودی نظام پر مبنی ہو' معاشرے میں بے حیائی اور بے حجابی کا دور دورہ ہو تو انہیں کوئی پرواہ نہیں کہ ان کو بدلنے کے لئے کوئی جدوجہد کی جائے۔ وہ بس اپنے مسلک کے مطابق عقیدہ رکھ کر اور عبادات ادا کر کے گویا پورا حق بندگی ادا کر رہے ہیں۔ جان لیجئے کہ مراسم عبودیت' ارکان یا ستون ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ لیکن یہ ستون بجائے خود عمارت نہیں ہیں۔ اسلام کی عمارت تو اصل میں پوری زندگی میں اللہ کو رب مان کر اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کا نام ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ ﴿وَمَا خَلقت الجن والانس اِلا لیعبدونِ﴾ (الذاریات ۵۶)

''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری بندگی کریں۔'' اگر نماز روزہ کو بندگی مان لیا جائے تو پھر تو انسان کو ہر وقت نماز روزہ سے ہی ہونا چاہئے کیونکہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے۔لیکن بندگی اصل میں اس کو رب مان کر پوری زندگی اس کی اطاعت کرنا ہے، دل کی آمادگی سے۔انسان کس کی بندگی کرتا ہے اپنے مالک کی یا اپنے نفس کی۔ برادری کی' اصول تجارت کی اور مادر پدر آزاد جمہوریت کی یا اپنے رب کی۔اس بات کا اصل ٹیسٹ تو ہوتا ہی زندگی کے اجتماعی معاملات میں ہے کہ انسان کس کا بندہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً﴾ (البقرہ:208)''اے ایمان والو! اسلام (یعنی اللہ کی فرمانبرداری) میں پورے کے پورے داخل ہو۔'' اور فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: 102) ''اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تم کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو''۔ پوری زندگی کی روش اس کی فرمانبرداری پر ہو۔رہن سہن، کاروبار اور دستور ریاست اس کی اطاعت پر ہو۔ بقول اقبال مرحوم ''چوں می گویم مسلمانم بلرزم' کہ دانم مشکلات لا الہ را'' یہ مکمل سپردگی (اسلام) نافرمانی سے بچنا' تقویٰ' پوری فرمانبرداری (اطاعت) بندگی رب ہی کی مترادف اصطلاحات ہیں۔ معاشرتی زندگی میں جب معاملہ آتا ہے رسومات کی ادائیگی کا تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان اللہ کو محافظ سمجھتا ہے اور انہیں رسومات پر اکتفا کرتا ہے۔جو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہیں یا برادری کی ناراضگی کے ڈر سے غلط رسومات کو ادا کرتا ہے کہ اگر رشتہ دار ناراض ہو گئے تو زندگی گزارنا مشکل ہوگا۔اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے نہیں ڈرتا بلکہ برادری سے تو کس کو محافظ سمجھتا ہے۔اسی طرح معیشت میں اگر حرام ذرائع استعمال کرتا ہے اور حرام کھاتا ہے تو وہ رازق کس کو سمجھتا ہے اللہ کو یا ان ذرائع واسباب کو پھر اپنے تنازعات اور حدود اللہ میں وہ کس کا حکم مانتا ہے اور کس کے فیصلے کی پابندی کرتا ہے۔

ارکان اسلام تو اصل میں انسان کے نفس کی تربیت کا ذریعہ ہیں کہ اس کا تعلق اپنے مالک سے قائم رہے اور اس پر نسیان طاری نہ ہو جس کی بہترین صورت نماز ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کا بندہ نہ بنے جس کے لئے روزہ ہے اور مال کی محبت اسے حرام میں نہ لے جائے جس کے لئے زکوٰۃ وصدقات ہیں اور وطن کی محبت اسے علیحدہ عصبیت پر نہ لے آئے جس کے لئے حج وعمرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو انسان کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ ان تمام اشیاء کو کام میں لائے لیکن اس کی بندگی میں رہ کر یعنی اس کا ایمان وعقیدہ اس کے مراسم عبودیت' رسومات' طرز معاشرت' کاروبار ومعاش اور سیاست اللہ کے عطا کردہ نظام عدل وقسط کے تقاضوں کے تحت ہو' اور وہ پوری زندگی میں اسی کو رب مان کر اس کی اطاعت کرے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نوید خلافت دی ہے وہاں اس خلافت کی اصل غرض وغایت بھی اس عبادت کو قرار دیا ہے:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝﴾ (النور :55)

''اللہ تعالیٰ کا تم میں سے ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دینے والوں سے وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں لازماً خلافت عطا کرے گا' جیسے اس نے خلافت عطا کی ان سے پہلوں کو اور وہ ان کے اس دین (اسلام) کو غلبہ عطا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے' اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔تاکہ وہ میری ہی بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد بھی کفر کریں تو وہی نافرمان ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اسی مقصد کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث فرماتا رہا ہے کہ وہ اس نظام عدل اجتماعی کو قائم کریں جس کی بدولت اللہ کی فرمانبرداری کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ یہ ہے وہ حق مالک ارض وسماء کا جو بحیثیت انسان ہم میں سے ہر ایک پر عائد ہوتا ہے۔ وہی مالک حقیقی ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر جاندار کا رزق اور اس کی زندگی کا اختیار ہے' اور یہی فرمان نبوی ﷺ ہے کہ اللہ کا بندوں پر صرف یہی حق ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اگر وہ یہ کر گزریں تو پھر بندوں کا یہ حق ہے کہ ان کا رب انہیں عذاب نہ دے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا الٰہ بنایا ہوا ہے۔ ﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ ﴾ (الفرقان) آپ نے سوچا کہ انسان اپنی خواہش نفس کو نہ سجدہ کرتا ہے نہ رکوع بلکہ اس کا کہا مانتا ہے۔ ویسے بھی سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے اور اگر نماز، روزہ ہی بندگی ہے تو پھر ہر وقت نماز روزہ میں رہنا چاہئے تا کہ مقصد زندگی پورا ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہے، اس نے تمام چیزیں جو زمین پر ہیں انسانوں کے لئے پیدا کی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ انسان کو برتے لیکن میری فرمانبرداری میں رہ کر اور یہی مقصد ہے اس کی پیدائش کا۔ یعنی اپنے حق پر اکتفا کرے اور دوسروں کا حق نہ کھائے۔ طغیانی سے بچے اور یہ اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا حق کیا ہے۔ یہ پیمانہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں رکھ دیا ہے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے بُرائی کیا ہے اور بھلائی کیا ہے۔ اس کا حق کیا ہے اور کیا اس کا حق نہیں ہے۔ اس بارے میں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کوئی شخص اچھے طریقہ سے دلائل دے کر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ لے لیتا ہے لیکن اس کا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ چیز اس کی نہیں ہے تو میرا فیصلہ بھی اسے جائز قرار نہیں دے گا اور وہ میرے ہاں سے آگ کا انگارہ لے کر لوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں واقعی اس کے بندے بن کر زندگی گزارنے کی توفیق دے اور ساری زندگی کی فرمانبرداری اختیار کر کے حق بندگی ادا کرنے کی ہمت دے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ٥﴾ (الذاریات:56)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اور اسی کو تمام جنوں اور انسانوں کی تخلیق کی غایت بھی قرار دے دیا گیا ہے:

واخر دعوانا ان الحمد لله ورب العلمين O

دین اسلام کا ایمان والوں سے مطالبہ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ط ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ط ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْداً عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ج فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ط ھُوَ مَوْلٰکُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ٥﴾ (حج:۷۷۔۷۸)

چند تمہیدی باتیں

1۔ قرآن مجید جس ترتیب سے نازل ہوا ہے اس ترتیب سے یہ پہلا خطاب ہے جو اہل ایمان کو مخاطب کر کے کیا گیا اور مفسرین کا کہنا ہے کہ

یہ آیات دوران ہجرت نازل ہوئیں یا ہجرت کے فوراً بعد۔

2۔ بندہ مومن کے جو انفرادی حیثیت میں فرائض ہیں ان کو بڑی جامعیت کے ساتھ معین کر دیا گیا ہے کہ کم از کم لوازمات نجات وفلاح کیا ہیں۔

3۔ امت مسلمہ کو بحیثیت امت جو فریضہ سونپا گیا ہے اس کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کی وجہ سے جو مقام اور فضیلت اسکے حصے میں آئی ہے اس کا واضح طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔

اب پہلی آیت کا ترجمہ پڑھئے۔''اے ایمان والو! رکوع کرو سجدہ کرو۔ اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تا کہ فلاح پا سکو۔''

سب سے پہلے اس بات کو سمجھ لیجئے جو ہمارے ذہنوں میں سمائی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور لاشعوری طور پر کلمہ شہادت یاد کر لینے سے ایماندار بن جاتا ہے' اب دیگر فرائض ادا کرنے سے تو درجات میں بلندی ہو گی وگرنہ کامیابی تو اس اقرار کی بنیاد پر یقینی ہے۔ یہی ہے وہ تصور جو اس وقت معاشرے میں راسخ ہے اور جس کی بنیاد پر 90 فیصد آبادی اسلام کی بنیادی تعلیم نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' حلال رزق' راست بازی اور بنیادی اخلاقیات سے بھی فارغ ہے لیکن خود کو مسلمان گردانتی ہے۔ لیکن اس آیت مبارکہ میں تو خطاب ہی ان سے ہے جو اہل ایمان ہیں اور پھر ان کو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کام کرو گے تو فلاح اور کامیابی حاصل کر پاؤ گے۔

ایمان والوں کو سب سے پہلے جو حکم دیا جا رہا ہے وہ ہے رکوع کرو' سجدہ کرو۔ مراد ہے نماز ادا کرو۔ جان لیجئے جس وقت یہ آیات نازل ہوئی ہیں تو اہل ایمان پر صرف نماز فرض ہوئی تھی۔ ابھی نہ روزہ فرض ہوا تھا اور نہ زکوٰۃ و حج۔ اس لئے نماز قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

آج جب ہم اس آیت کا مصداق سمجھیں گے تو وہ یہ ہو گا کہ ارکان اسلام یا عبادات کا التزام کرو۔ یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ مومن کے لئے سب سے پہلے ان عبادات کو کیوں لازم کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے اور اسے معلوم ہے کہ انسان کی تخلیق میں کیا کیا ضعف ہیں اور اسے اپنے نفس کو راہ راست پر رکھنے کے لئے کیا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان عبادات کو بندہ مومن پر لازم کیا ہے اور ان کا التزام لازم قرار دیا ہے تا کہ بندہ مومن اس قابل ہو سکے کہ وہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا کر سکے اور واقعی بندگی پر رہ کر زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔

چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں رہائش عطا کی اور ان سے ایک درخت کے قریب نہ جانے کا عہد لیا۔ لیکن آدم علیہ السلام اس عہد کو قائم نہ رکھ سکے اور اس درخت کو چکھ لیا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں سورہ طٰہٰ میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ (طٰهٰ ١١٥)

''اور اس سے پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے (ایک عہد لے چکے تھے) تو وہ بھول گئے اور ہم نے اس میں پختگی نہ پائی۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب دنیا میں بھیجا تو ان پر ارکان اسلام لازم کر دیئے تا کہ پھر ان پر غفلت طاری نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ ہر امت پر مختلف صورتوں میں اللہ کی طرف سے فرض رہی ہیں کیونکہ یہ انسان کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہتمام ہے تا کہ اللہ کو ماننے والے غفلت سے بچے رہیں۔

نماز کی اصل غرض وغائت یہی ہے کہ وہ انسان کو غفلت سے بچاتی ہے اور اللہ کی یاد تازہ رکھتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ

علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہیں کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو سب سے پہلا حکم یہی دیا کہ ﴿اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ (طٰہٰ ۱۴) (اے موسیٰ) میں ہوں اللہ میرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ پس تمہیں میری بندگی پر زندگی گزارنا ہے اور نماز کو قائم رکھنا میری یاد کے لئے اور اس طرح سورہ عنکبوت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُo﴾ (العنکبوت:45) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجئے اور نماز قائم رکھئے بے شک نماز بے حیائی اور منکرات سے روک دیتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

اسی طرح روزہ کا اصل مقصد بھی تقویٰ کا پیدا کرنا ہے اور نفسانی خواہشات بھوک، شہوت اور کمزوری اور تھکان پر کنٹرول حاصل کرنے کا نام ہی تقویٰ ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی نفس پر حاوی نہ ہو جائے۔ بلکہ روح ربانی اتنی قوی ہو جائے کہ نفس کو قابو میں رکھ سکے۔ اس لئے دن کو بھوک اور شہوت پر قابو پایا جائے اور رات کو اللہ کے کلام سے روح کو قوی کیا جائے تاکہ جس مالک کے حکم سے حلال چھوڑ رکھا ہے اس کی یاد تازہ رہے اور کم از کم حرام سے بچنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو روزہ کا حاصل ہیں اس لئے انہی آیات میں یہ بھی آ گیا کہ ﴿ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اور وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''جب روح بیدار ہو اور مالک کی طرف توجہ کرے تو جان لو وہ قریب ہی ہے نفسانی خواہشات کے پردوں کو ہٹاؤ اور اس سے قرب حاصل کر لو اور دیکھو اصل تقویٰ اللہ کی حرام کی ہوئی صورتوں سے اپنے آپ کو بچانے کا نام ہے۔ (البقرہ ۱۸۸۔۱۸۶)

زکوۃ بھی اصل میں تزکیہ نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ روزی حلال ذرائع سے حاصل کرو اور اسے اللہ کی عطا سمجھ کر حقوق کی ادائیگی میں لگاؤ اور اس میں سے سائل و محروم کا حق نکالو تاکہ اس کی محبت دل میں پیدا نہ ہونے پائے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اَلصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا دلیل ہے انسان کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی۔

حج تو بہت ہی جامع رکن ہے، جس میں مال کا خرچ، نفس کی مشقت کے علاوہ اسلام کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کا ایک امت کا فرد ہونے کا احساس اجاگر رکھنے کا بندوبست ہے اور لسانی، قومی، علاقائی، نسلی عصبیتوں سے نکالنے کا ذریعہ ہے۔ گھر بار، کاروبار اور دنیاوی مصروفیتوں سے نکلو اور ایک ہی رنگ میں رنگے جاؤ اور اللہ کے حضور پیش ہو جاؤ تاکہ معلوم ہو کہ ہم سب سے پہلے مسلم ہو اور پھر ہندوستانی، پاکستانی یا ایرانی و عراقی۔ ان تمام آلائشوں سے بندہ مومن کو بچانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مستقل رکھنے کے لئے یہ عبادات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر بندہ مومن پر فرض کی ہیں تاکہ وہ اصل تقاضے جو اس سے مطلوب ہیں وہ ادا کرنے کے قابل رہے۔

دوسری چیز ان عبادات/ارکان کے بارے میں ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ دین کے ستون ہیں۔ اگر ستون نہ ہوں تو عمارت کا کوئی تصور نہیں۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا الصلٰوۃ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ ھَدَمَھَا ھَدَمَ الدِیْنَ (مشکوۃ) نماز دین کا ستون ہے جس نے ستون کو گرادیا اس نے دین کو گرادیا۔ واقعی حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھی عمارت ہو اس کی چھت تو اس کی دیواروں/ستونوں پر ہی کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ستون گر جائیں تو عمارت گر جاتی ہے۔

یہ خناس بھی ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ پہلے چھت ڈال لی جائے اور پھر ستون بنا لئے جائیں گے۔ جیسے آج کل کچھ حضرات کا یہ مؤقف ہے پہلے اسلام کا نظام ربوبیت قائم کرواو ارکان اسلام/عبادات کی ہیئت اور حیثیت بعد میں معین کی جائے گی۔

دوسرا حکم ہے واعبدو ربکم اور یہ اصل تقاضا ہے۔ وہی جو پوری انسانیت سے کیا گیا ہے اور وہ ہے عبادت رب۔ اپنے مالک کے غلام بن کر پوری زندگی گزارنا کیونکہ یہ انسان کی غرض تخلیق ہے۔ اب یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ آج کل بعض علماء نے صرف ان ارکان

اسلام ہی کو پورا دین اور عبادت قرار دیا ہوا ہے۔انہیں سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا ہی عبادت کے لئے کیا ہے تو کیا انسان کی غرض تخلیق صرف نماز' روزہ' زکوۃ اور حج کی ادائیگی ہی ہے۔حالانکہ یہ تو صرف غفلت سے بچانے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اصل مطالبہ تو اللہ تعالیٰ کو دنیا کا مالک مان کر اسکی اطاعت میں دینا ہے۔اگر کوئی بندہ مومن عبادات ادا کرتا ہے اور پھر تمام زندگی کے معمولات اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر گزارتا ہے۔اپنے معاشرتی' معاشی اور سیاسی فرائض ادا کر کے زندگی گزار رہا ہے اور صرف اپنے جائز حقوق پر اکتفا کرتا ہے'اس کی ساری زندگی عبادت ہے اور یہی مطلوب ہے۔

تیسری ذمہ داری جو عائد کی جا رہی ہے وہ ہے خیر اور بھلائی کا اختیار کرنا۔یہ بھی بندہ مومن کے لئے ضروری ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے کنبے میں سے وہی پسندیدہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے اور ان کی بھلائی اور خیر خواہی کا فکر رکھتا ہے۔یہ حقیقت ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان میں یوں بھی واضح فرمایا ہے:اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ (صحیح بخاری و مسلم) دین تو بس خیر خواہی کا نام ہے اور اس خیر خواہی میں تمام انسانوں کی خیر خواہی شامل ہے۔

یہ انسان کی حمیت اور غیرت حق کا بھی تقاضا ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے اسے دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور اس لحاظ سے سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انسان کو جہنم سے بچایا جائے اس کیلئے اس کو فقر و فاقہ کی کیفیت سے نکالا جائے تاکہ وہ بھی اللہ سے لو لگانے کے قابل ہو سکے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔﴿الفقرُ کاد یکون کفراً﴾''حاجت مندی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔''اسلئے اللہ تعالیٰ نے ادارہ خلافت کو لوگوں کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرادیا ہے تاکہ لوگ مایوس ہو کر کفر تک نہ پہنچ جائیں۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا،اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارا انسان کون ہے تو آپؐ نے فرمایا﴿اَنْفَعُھُمْ لِلنَّاسِ﴾ انسانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا اور پوچھا گیا اللہ کو اعمال انسانی میں سب سے زیادہ عمل کونسے پسند ہیں تو آپؐ نے فرمایا(۱) کوئی مسلمان دوسرے کے لئے خوشی کا سبب بنا جائے (۲) کوئی کسی کی مصیبت/تکلیف دور کرے (۳) کسی کا قرض ادا کرے (۴) کسی کی عزت بچائے اور پھر فرمایا جو شخص کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کے ساتھ چلتا ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے جو میری اس مسجد میں مہینے بھر کا اعتکاف کرے۔(معجم الطبرانی) چنانچہ کسی شاعر نے خوب کہا ہے!

کدے کوئی رٹھا منایا ای دس کھاں
کدے کوئی روندا ہسایا ای دس کھاں
کدے کوئی ڈگا اٹھایا ای دس کھاں
کدے کوئی رڑھدا بچایا ای دس کھاں
جے ہتھیں نئ پھٹ کسے دا توں سیتا
تے نری مالا پھیری اے ککھ وی نہیں کیتا

یہ ہیں تین تقاضے/ذمہ داریاں' فرائض جن کی ادائیگی ہر بندہ مومن سے مطلوب ہے تاکہ وہ اپنے اللہ کی رضا حاصل کر کے اپنی مراد کو حاصل کرے یعنی آخرت کی سرخروئی حاصل کر سکے۔

یہی پیغام ہے جو اللہ کا ہر نبی اور رسول اپنی اپنی قوم کو دیتا رہا اور یہی ہے جسے نبی اکرم ﷺ کے ماننے والوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے خطاب میں واضح فرما دیا تاکہ ہر بندہ مومن جان لے کہ اس کا رب اس سے کیا تقاضا رکھتا ہے جس کی ادائیگی پر اس کی فلاح کا

دارومدار ہے۔

اب آیئے دوسری آیت کی طرف اور وہ یوں ہے:

وَجَاهِدُوْ فِی اللّٰه حَقَّ جِهَادِهٖ.........

دوسری آیت کے بارے میں بعض باتیں سمجھ لیجئے تا کہ پوری طرح سے حقیقت واضح ہو جائے۔

پہلی آیت میں کامیابی کے لوازمات تو بیان کر دیئے گئے اور اب یہ دوسرا حکم کیوں دیا جارہا ہے تو جان لیجئے یہ حکم اس امت کے لئے خاص ہے اور وہ اس وجہ سے کہ اس کے رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا اور رسالت کو دائمی بنادیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا جو سلسلہ جاری فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل کا ظہور ہے تمام انسانیت کے لئے۔ اس مرتبہ ومقام کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہے نبوت کا پہلو اور دوسرا رسالت۔

نبوت

نبوت کی اصل غرض وغایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام کو وصول کرنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی۔ اس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ان انسانوں کو چنا جن میں اللہ کے کلام کو وصول کرنے کی صلاحیت تھی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصطفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ﴾ (آل عمران :۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا حضرت آدمؑ، نوحؑ آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام جہانوں میں سے۔''

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے انبیاء جو ہدایت کو وصول کرتے رہے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو پھر اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ہر نبی چونکہ اللہ کا بندہ اور انسان تھا اس لئے یہ پیغام اس کے لئے بھی تھا۔ یہ ہدایت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً جاری رہا یہاں تک کہ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ پر اس ہدایت کو کامل کر دیا۔ ایک مکمل ضابطہ حیات دے دیا گیا۔ اور پھر اس ہدایت کو رہتی دنیا کے لئے محفوظ فرما دیا۔ اس پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ اب مزید ہدایت کا نازل کرنا مطلوب نہ تھا۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ آخری نبی قرار پائے۔ یہ ہے اصل محمد المصطفیٰ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری چنیدہ انسان جن کو نبی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور ان کو اپنے آخری کلام سے نوازا۔

﴿الیوم اکملْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾ (المائدہ :۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ضابطہ حیات پسند کر لیا ہے۔

اب اگر کوئی انسان یہ مانتا ہے کہ قرآن مجید الہدیٰ ہے اور وہ اسی طرح آج بھی محفوظ ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو اس کے پاس نبوت کے لئے جواز نہیں ہے۔

رسالت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ان انبیاء میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر بھی فائز کیا اور مختلف اوقات میں مختلف

قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ان کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ وہ خود جس ہدایت پر ایمان لائے ہیں اور جس پر عمل پیرا ہیں اسے اپنی قوم تک بھی پہنچائیں تاکہ انسانوں کے پاس قیامت کے دن کوئی عذر نہ رہ جائے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کہ وہ کیوں اللہ کی بندگی نہ کر پائے۔ چنانچہ ہر رسول اس اعلان اور دعویٰ کے ساتھ ہدایت پہنچاتے رہے۔

﴿أَنَا اَوَّلُ الْمُؤمِنِیْنَ ______ اَنَّا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

''میں پہلا مومن ہوں اور پہلا اس پر عمل کرنے والا ہوں۔''

﴿رُسَلاً مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہِ عَزِیْزًا حَکِیْمًا﴾ (النساء :165)

''رسول بھیجے گئے مبشر اور منذر بنا کر تاکہ انسانوں کے پاس کوئی عذر نہ رہ جائے اللہ کی جناب میں پیش کرنے کے لئے' اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا۔''

نبی اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے ہیں وہ اپنے اپنے زمانے میں خاص لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے اس لئے ان کو وہ کتب عطا کی گئیں جو اسی زمانے کے لئے تھیں اور انہیں لوگوں کے لئے ہدایت تھیں۔ اس لئے ہر رسول بنفس نفیس اس پیغام پر عمل کر کے بھی دکھا دیتے تھے اور قوم تک بھی پہنچا دیتے تھے اور حجت قائم کر دیتے تھے۔ انہیں معنوں میں ہر رسول اپنی قوم کے لئے شاہد بنے جو اس دنیا میں شہادت کا فریضہ ادا کرتے رہے اور قیامت کے دن اپنی اپنی قوم/امت پر گواہ ہوں گے۔

﴿فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَہِیْدًا﴾ (النساء:44)

کیسا سماں ہوگا (قیامت کے دن) جب ہم ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ گواہ رسولؐ ان پر گواہ لائیں گے۔

یہی مضمون ہے جو سورہ الاعراف کے شروع میں دہرایا گیا ہے۔ ﴿وَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور ہم لازماً پوچھیں گے ان سے جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور ان سے بھی جنہیں رسول بنا کر بھیجا۔

یعنی یہی گواہی ہے جو رسولوں سے لی جائے گی کہ انہوں نے اللہ کا پیغام امت تک پہنچا دیا تھا اور جب وہ گواہی دے دیں گے تو پھر امت جواب دہ ہوگی اس پر عمل کی اور یہ ہے وہ قطع عذر جس کے لئے اللہ تعالیٰ رسولوں کو مبعوث فرماتے رہے ہیں جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا معاملہ خصوصیت کا حامل ہے کیونکہ ان کو جو ہدایت دی گئی وہ نہ صرف الہدیٰ ہے بلکہ دائمی، جامع، ہمہ گیر، آفاقی اور دوامی بھی ہے۔ وہ صرف اس زمانے کے لئے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا۔ اب اس ہدایت کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کی ذمہ داری کے لئے اب جو انتظام اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے پسند فرمایا یہ ہے کہ آپؐ کے ذریعہ وہ پیغام ایک امت تک پہنچا دیا اور پھر اس امت کے ذمہ لگایا کہ وہ اپنے اپنے دور کے لوگوں تک پہنچائے اور اس ذمہ داری کے لئے فرمایا:

﴿وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ﴾

کہ اے امت مسلمہ اب تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے جیسے جہاد کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے' (Select) کر لیا ہے اور یہی وہ لفظ ہے جو منصب رسالتؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے لئے پسند فرمایا اور آپ کو احمد المجتبیٰ بنایا اور یہی نام ہے جو پہلی کتابوں میں آپؐ کے لئے آیا ہے۔ کیونکہ فریضہ رسالتؐ ہے جس کا حق واقعی انسانی جدوجہد کے ذریعہ آپؐ نے ادا کیا اور امت کے

لئے نمونہ چھوڑا۔

چنانچہ ختم نبوت کی خلعتِ فاخرہ آپ کے سر سجی اور تکمیل رسالت کی ذمہ داری آپ کی اُمت کو تفویض ہوئی۔

مقام و فضیلت امت

جان لیجئے یہ فریضہ شہادت ہی ہے جس کی ذمہ داری اس امت پر ڈالی گئی اور اس ذمہ داری کی وجہ سے انہیں بھی مجتبیٰ کہا گیا اور یہی سبب ہے جس کے لئے اسے امت وسط کے منصب کا حقدار ٹھہرایا گیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ ۱۴۳)

''اور اسی لئے ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تا کہ تم گواہ بن جاؤ انسانوں پر جیسے رسول گواہ بنے تم پر''

وسط کیا ہے؟ اصل میں یہ امت اللہ تعالیٰ کے سلسلہ پیغام رسانی کی زنجیر کی ایک کڑی قرار پا گئی۔ اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لئے پہلے یہ سلسلہ مکمل ہو جاتا تھا اس طرح کہ اللہ کا پیغام لاتا تھا رسول ملک یعنی فرشتہ، وہ پہنچاتا تھا رسول الناس تک اور وہ پہنچا دیتا تھا اپنی قوم تک لیکن نبی اکرم ﷺ پر آ کر یہ روایت تبدیل کر دی گئی اب یہ کام اس اُمت نے کرنا ہے، گویا قیامت تک کرنے والے تمام انسانوں کے لئے یہی اُمت ''واسطہ ہدایت'' اور ''ذریعہ نجات'' ہے۔ اور یہی اس کا مقام فضیلت ہے کہ جسکی بنا پر پہلے رسول بھی اس امت میں آئیں گے تو اُمتی کی بھی حیثیت سے زندگی گزاریں گیا وراس ذمہ داری کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو یہ کام سرانجام دیں گے اپنا بھائی قرار دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

يٰلَيْتَنِيْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ قَالُوْا اَلَسْنَا اِخْوَانَكَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ قَوْمٌ يَّجِيْئُوْنَ بَعْدَكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ اِيْمَانَكُمْ وَيُصَدِّقُوْنِيْ تَصْدِيْقَكُمْ وَيَنْصُرُوْنِيْ نَصَرَكُمْ فَيٰلَيْتَنِيْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ (ابن ابی شیبہ فی مسندہ)

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش میری ملاقات ہو اپنے بھائیوں سے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں لیکن میری مراد ان سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو۔ وہ میری تصدیق کریں گے جیسے تم نے کی ہے اور وہ میری مدد کریں گے جیسے تم کر رہے ہو۔ پس کاش میری ملاقات ہو اپنے بھائیوں سے۔''

کیسا خوشی کا مقام ہے اس شخص کے لئے جو ایمان رکھتا ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے آخری رسول ہیں جن کو تمام انسانیت کے لئے بھیجا گیا ہے اور پھر ان کے مشن میں ان کا مددگار بنے اور مرتبہ اخوت حاصل کرے اور اسی طرح کا وہ فرمان ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ:

سَئَلَ اَصْحَابُ رَسُوْلَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هَلْ مِنْ قَوْمٍ اَعْظَمُ مِنَّا اَجْرًا اٰمَنَّا بِكَ وَاتَّبَعْنَاكَ قَالَ بَلْ قَوْمٌ يَاتُوْنَ بَعْدَ كُمْ يَاْتِيْهِمْ كِتَابُ اللّٰهِ بَيْنَ لَوْحَيْنِ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَعْمَلُوْنَ بِمَا فِيْهِ اُوْلٰئِكَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ اَجْرًا

''اصحاب رسول ﷺ نے عرض کی کیا ہم سے بھی کوئی اجر میں بڑا ہوگا۔ ہم وہ ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور آپؐ کی پیروی کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے (جنہوں نے نہ مجھے دیکھا ہوگا اور نہ ہی تم لوگوں کو) انکے پاس

اللہ کی کتاب دوگتوں کے درمیان پہنچے گی تو وہ اس حال میں بھی مجھ پر ایمان لائیں گے اور جو اس کتاب میں ہوگا' اس پر عمل کریں گے۔ وہ تم لوگوں سے اجر میں بڑھ کر ہوں گے۔''

لیکن یہ فضیلت اور اجر اس ذمہ داری کی بنیاد پر ہے جو آگے اسی آیت میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

''تاکہ جیسے ہمارے رسول تم پر دین کی گواہی دے رہے ہیں ویسے تم باقی لوگوں کے لئے گواہ بن جاؤ۔''

وگرنہ کسی امتی کے گھر پیدا ہو جانے سے یہ فضیلت نہیں ملتی بلکہ ذمہ داری کی امکانی ادائیگی کی وجہ سے فضیلت ملتی ہے جو قرار دی گئی نبی اکرم ﷺ کے مشن میں ان کی مدد۔ کیونکہ کسی اُمت میں پیدا ہونا کسی کے اختیار سے نہیں ہے کہ اس کو جواز بنالیا جائے اپنی عظمت کا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا کسی کو پیدا کیا ہے۔ اُمتی کی عظمت تو اس میں ہے کہ وہ ذمہ داری جو اس پر عائد کی گئی ہے اُمتی ہونے کے ناطے سے وہ ادا کرے ورنہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روزِ محشر ان کو اُمتی ہی نہ مانیں جنہوں نے ذمہ داری ادا نہ کی ہو۔ کیونکہ اصل میں تو یہ فریضہ آپ ؐ کا ہے جو آپ ؐ امتیوں پر عائد کر کے گئے ہیں۔

یاد کیجئے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ؐ کے خطابات اس فریضہ شہادت کے لئے جو آپ ؐ امت کے سپرد کر کے گئے ہیں جب کہ کوئی سوا لاکھ کے مجمع سے آپ ؐ نے دریافت فرمایا۔

أَ لَا هَلْ بَلَّغْتُ

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ کیا میں نے اللہ کے دین اور اللہ کے پیغام ہدایت کو آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے'' تو لوگوں نے بیک زبان جواب دیا۔

نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ (رواه مسلم)

''ہم گواہ ہیں کہ آپ ؐ نے پہنچا بھی دیا' حق امانت بھی ادا کر دیا۔ امت کی خیر خواہی کا حق بھی پورا کر دیا۔'' اس پر سید المرسلین ؐ نے فرمایا تو اب آپ لوگوں کو یہ امانت سونپی جا رہی ہے اور اب تمہیں امتی ہونے کا حق ادا کرنا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پسند فرمایا ہے اور فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ (متفق علیه)

''پس جو گواہی دے رہا ہے وہ ان تک پہنچائے جن تک نہیں پہنچا'' اور پھر اس میں ایسی عمومیت پیدا کی کہ ہر امتی یہ جان لے کہ یہ فریضہ ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ فرمایا:

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً

''پہنچاؤ میری جانب سے (on my behalf) خواہ ایک ہی آیت تم تک پہنچ پائی ہو۔''

یہ ہے جو ہر اُمتی کو جان لینا چاہئے کہ یہ ذمہ داری صرف علماء کی نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی فضیلت حاصل کرنے کا متمنی ہے اسے یہ ذمہ داری بھی ادا کرنی چاہئے۔ یہ نہیں ہے کہ ہم تو بنیں ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور سرمایہ دار اور یہ ذمہ داری ہماری طرف سے ادا کریں مولوی حضرات، کیونکہ ان کو ہم اس ذمہ داری کے عوض چندے دیتے ہیں۔ جان لیجئے یہ کارِ رسالت پوری اُمت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ اس سے عہدہ برآ اسی طریقے پر ہوا جا سکتا ہے جیسے کہ صحابہ ؓ نے کیا۔ وہ اپنی روزی بھی خود کماتے تھے اور یہ فریضہ بھی ادا کرتے تھے اور یہی ہے جو ہر رسول

سے بھی کہلوایا گیا۔(لَآ أَسْئَلُ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ) میں اس کام کی اُجرت تم سے نہیں مانگتا۔علماء حضرات کو بھی جان لینا چاہئے کہ درس وتدریس پر تو اجرت لی جاسکتی ہے لیکن تبلیغ دین پر اُجرت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ یہ اُسوہ رُسل کے خلاف ہے۔

اللہ کے رسولوں نے حجت کیسے قائم کی

اب سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسے اپنے رسولوں کے ذریعہ حجت قائم کرتا رہا ہے اوران کو کونسی چیز دے کر بھیجتا رہا ہے کہ جس کی گواہی دے کر وہ قطع عذر کرتے تھے۔

سب سے پہلے تو جان لیجئے کہ تمام رسولوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید 25:)

''بے شک اللہ تعالیٰ بھیجتا رہا ہے اپنے رسولوں کو بینات دیکر اور نازل کرتا رہا ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان تا کہ لوگ عدل اجتماعی پر قائم رہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں تین حقائق بیان ہوئے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی کا حق بھی ادا کرتا رہا ہے اور حجت بھی قائم کرتا رہا ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھی کسی قوم/امت کی طرف بھیجا ہے تو ایسی نشانیاں دے کر بھیجا ہے کہ وہ قوم اور امت اچھی طرح جان لیتی تھی کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ظاہر ہے اگر قوم پہچانے ہی نہ تو حجت کیسے قائم ہوگی۔اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے معجزات دے کر اپنے رسولوں کو بھیجتا تھا کہ وہ جان لیتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔آپ پوچھیں گے کہ پھر وہ مانتے کیوں نہیں رہے تو جان لیجئے ماننے میں اصل تو رکاوٹ رہی ہے انسان کی باطل نظام میں وہ حیثیت جوانہوں نے حاصل کی ہوتی ہے یا مالی مفادات جو اس باطل نظام کے تحت انہیں حاصل ہوتے ہیں اوران کا زعم کہ اصل دانش اور بینش کے تو وہی حامل ہیں اور قوم کے اصل خیر خواہ ہیں۔

حالانکہ وہ قوم کے تمام وسائل پر مسلط ہوتے ہیں اور بدمعاشی کر رہے ہوتے ہیں۔جیسے آج بھی آپ اسلام کی دعوت دیں تو سب سے پہلے یہی لوگ آپ کو بتائیں گے کہ وہ ہی اصل عقلمند اور قوم کی ترقی کے گر جاننے والے ہیں۔یہ بنیاد پرست تو قوم کو پیچھے لے جانا چاہتے ہیں اوران کے نظریات بڑے سطحی ہیں۔

وگرنہ کیا خیال ہے فرعون کو معلوم نہ ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے فرستادہ ہیں۔وہ اچھی طرح جانتا تھا جیسے قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ (بنی اسرائیل 102:)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے فرعون! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نشانیاں نازل کی ہیں وہ تیرے لئے بصیرت کا سامان رکھتی ہیں اصل مالک ارض وسماء کی طرف سے اور فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌo وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾

(النمل: ۱۴)

''جب ان کے پاس ہماری ایسی نشانیاں آئیں جو روز روشن کی طرح تھیں تو انہوں نے کہہ دیا یہ تو کھلا جادو ہے اور انکار کیا ان

نشانیوں کا ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے حالانکہ ان کے دل خوب یقین حاصل کر چکے تھے۔''

کیا خیال ہے اس امت کا فرعون یعنی ابوجہل کیا حضرت محمد ﷺ کی صداقت کو نہیں جانتا تھا' کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے رسولوں کو ایسے معجزات دے کر بھیجتا ہے اور ان کا کردار ایسا بے مثال ہوتا ہے کہ وہ لوگ پہچان لیں وگرنہ حجت قائم نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابوجہل سے کسی نے پوچھا کیا تم جانتے نہیں کہ محمد ﷺ سچے ہیں تو اس نے جواب دیا اللہ کی قسم انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو پوچھنے والے نے سوال کر دیا کہ پھر تم ان کو مانتے کیوں نہیں۔ اس پر اس نے حق بیان کر دیا کہ اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان شریکہ چلا آ رہا ہے اور ہم ان کے مدمقابل ہیں۔ اب اگر آج ان کے نبی کو مان لوں تو ان کے نیچے لگنا پڑتا ہے اور یہ مجھے منظور نہیں ہے۔

جان لیجئے یہی صاحب اقتدار' جاگیردار' سرمایہ دار اور دنیادار کی سب سے بڑی انانیت ہوتی ہے جو حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور آج بھی یہی ہے جو پاکستان کے اقتدار پر براجمان جاگیردار' بیوروکریٹ اور فوجی جرنیلوں کا روگ ہے کہ وہ دین کو اختیار نہیں کر رہے کہ ان کو اس باطل نظام میں جو حیثیت ملی ہوئی ہے اور استحقاق حاصل ہیں ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے باطل نظریے اور اپنی بہتری اور دنیا کے ساتھ موافقت رکھنے والے ثقافت کے ختم ہونے کا رونا روتے ہیں اور اہل دین کو کم عقل' قدامت پرست' بنیاد پرست کہہ کر ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر وہ اسلامی عدل وقسط کے نظام کو رائج کریں تو ان کا یہ مقام نہیں رہتا۔ ان کی عیاشیوں' فحاشیوں اور اباحیت پرستی پر زد پڑتی ہے اور ان کی دنیا کی زندگی برباد ہوتی ہے اور ان کے نزدیک اصل زندگی تو دنیا ہی کی زندگی ہے۔ آخرت کس نے دیکھی ہے اور ویسے بھی وہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے جنت تو ان کا پیدائشی حق ہے ہی۔ اس لئے اپنی دنیا ان دین داروں کے کہنے پر کیوں برباد کریں۔ یہی کہتے رہے ہیں اپنے اپنے وقت کے فرعون' ہامان' نمرود' شداد اور مترفین۔ ذرا قرآن مجید میں بیان کردہ حقائق کو تو دیکھیں تو سمجھ آ جائے گی۔

قوم نوح علیہ السلام نے کیا کہا تھا ان کی دعوت کے جواب میں:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ o﴾ (ھود:27)

''کہنے لگے سردار (حکمران طبقہ) جو اس قوم کے کافر تھے کہ ہم آپ کو اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں اور آپ کے ساتھی ہمارے معاشرے کے گرے پڑے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑی سطحی رائے کے حامل ہیں۔ تمہارے پاس کوئی جاگیر بھی نہیں ہے بلکہ ہم آپ کو جھوٹا گردانتے ہیں۔'' اور کہا تھا قوم فرعون کے سرداروں اور جادوگروں نے

﴿قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى o﴾

(طٰہٰ:63)

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ o﴾

(المومن:25)

کہنے لگے یہ دو جادوگر ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ جادو کے زور پر تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں۔ تمہارے مثالی کلچر کو ختم کر دیں اور فرعون کہنے لگا۔ مجھے اجازت دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ پکارے اپنے رب کو۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے نظام کو بدل دے گا اور زمین میں فساد

برپا کردے گا اور یہی ہے جسے عمومی طور پر تمام رسولوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ نَذِیْرٍ اِلاَّ قَالَ مُتْرَفوهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَo وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالاً وَاَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَo ﴾

اور ہم نے جب بھی کسی بستی کی طرف رسول بھیجا تو اس بستی کے خوشحال لوگوں نے کہا (جن کے پاس اقتدار اور مادی وسائل ہوتے ہیں) کہ ہم انکار کرتے ہیں اس کا جو آپ لوگوں کو دے کر بھیجا گیا ہے اور ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں (یعنی یہ دلیل ہے ہماری شرافت اور بلند مرتبہ ہونے کی) اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (کیونکہ اس دنیا میں ہماری کسی خوبی کی وجہ سے ہمیں نوازا گیا ہے اور یہی کافی ہے آخرت کی کامیابی کیلئے بھی)۔

اس کیفیت کو نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمایا اپنے فرمان میں۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ کِبَرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُهٗ، حَسَنًا وَنَعْلُهٗ، حَسنةً قَالَ اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ وَیَحِبُّ الْجَمَالَ۔ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاس۔ (رواہ مسلم)

''جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوا۔ اس پر ایک صحابیؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا خوبصورت ہو۔ تو کیا یہ تکبر ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں۔ تکبر یہ ہے کہ انسان حق سامنے آنے پر اس کو جھٹلا دے اور انسانوں کو حقیر سمجھے۔''

تو جان لیجئے اللہ تعالیٰ ہر رسول کو ایسی نشانیاں دے کر بھیجتا رہا ہے تا کہ وہ لوگ پہچان لیں جن کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اب بھی حق بالکل واضح ہے اور اللہ کی کتاب کی صورت میں اسی طرح محفوظ ہے جیسے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لیکن اگر آج لوگ نہیں مانتے تو لاعلمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے انکار کرتے ہیں اور ان کی انانیت ہی آڑے آتی ہے اور رسول خدا کے اُسوہ کو قبول کرنے اور عام انسان کی سطح پر زندگی گزارنے سے بچنے کے لئے عذر تراشتے ہیں۔

ہاں ایک حقیقت کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ باطل نظام میں مذہبی طبقہ بھی حق کی مخالفت میں صاحب حیثیت لوگوں کو ڈھال مہیا کرتا ہے۔ جیسے علماء دین کی اکثریت اسلام کو بس مذہب کی حیثیت میں پیش فرما رہی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے ہی کا درس دے رہی ہے اور باطل نظام سے کشمکش اور اس کے خلاف جہاد سے گریزاں ہے بلکہ بعض معاملات میں ان کے سپورٹر ہیں۔ جیسے بنک انٹرسٹ، جاگیرداری، مذہبی اجارہ داری وغیرہ اور یہی اکثریت ان علماء حقانی کے اثرات کو زائل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے کہ عوام اسلام کے مذہبی پہلو یعنی عقیدہ، عبادات اور رسومات کی حد تک عمل کر کے بڑے مطمئن ہیں۔ حالانکہ اوپر طاغوت کا نظام ہے اور باطل پوری طرح چھایا ہوا ہے لیکن ان کا سارا زور آپس کے مذہبی اختلافات کو ہوا دینے پر خرچ ہو رہا ہے۔ یہی حقیقت ہے جسے کسی نے ایک شعر میں سمو دیا ہے۔ ؎

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو
کیسا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

پوری قومی زندگی انسانوں کی حاکمیت، سودی نظام اور اباحیت پرستی اور فحاشی پر مبنی ثقافت پر چل رہی ہے اور یہ صرف انفرادی معاملات

کی بنیاد پر تقویٰ کی منزلیں سر کر رہے ہیں اور اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد کے لئے کوئی فکر نہیں ہے بلکہ اگر فکر ہے تو صرف اپنے مدرسوں اور مساجد کی۔ ان کی مساجد میں اگر اسلام کے بارے میں بات کی اجازت مانگی جائے تو سب سے پہلے سوال ہوتا ہے آپ کا مسلک کیا ہے۔ کیونکہ دین اسلام سے خود ہی دست بردار ہو چکے ہیں۔ اس لئے اصل بات مسلک ہے۔

اب آیئے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کیا دے کر بھیجتا رہا ہے جس کی شہادت کا فریضہ وہ ادا کرتے رہے ہیں۔ تو فرمایا گیا کہ

﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید :25)

''اور ہم نازل کرتے ہیں کتاب اور میزان تاکہ لوگوں میں عدل اجتماعی قائم ہو۔''

اور یہی دو چیزیں ہیں جن کے بارے میں سورۂ الشوریٰ (آیت 17) میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ذکر کیا گیا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَان﴾

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس نے کتاب نازل کی حق پر مبنی اور میزان۔ یہ ہے دوسری حجت جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعہ کرواتا رہا ہے کہ وہ کتاب کی تعلیم پر مبنی عدل اجتماعی قائم کریں اور اس کتاب کی دعوت کو تمام انسانوں تک پہنچائیں جن کی طرف انہیں رسول بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے۔

اور انہی دو چیزوں کو بیان کیا آپ ؐ کے لئے۔ تین مقامات پر اس صورت میں جو تقاضا ہوا تکمیل دین اور اتمام نعمت کا۔

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف9' الفتح28' التوبہ33)

وہ ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (ﷺ) کو الہدیٰ اور دین الحق دے کر تا کہ وہ غالب کریں اس دین کو باقی تمام ادیان یا پورے کے پورے دین پر۔ یعنی پہلے رسولوں کے بارے میں جو ذکر ہے کتاب اور میزان کا اور مکی قرآن میں جس کا ذکر کیا آپ ؐ کے لئے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الہدیٰ اور دین الحق بنا دیا۔ آخری رسول اللہ ﷺ کے لئے کتاب کی جگہ الہدیٰ' کامل ترین ہدایت اور میزان کی جگہ دین الحق یعنی دین اسلام۔

اب جاننا ہے کہ جو شہادت کا فریضہ ذمہ داری تھی رسول اللہ کی اور پھر ذمہ داری ٹھہرائی گئی خیر امت کی جیسے فرمایا

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

(البقرہ :143)

اس کے تقاضے کیا تھے اور اور آپ ؐ نے کیسے ادا کئے اور اب امت کیسے ادا کرے گی تو شہادت کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

الہدیٰ کی شہادت

اللہ کی کتاب ایک پیغام لے کر آئی ہے اور وہی اس کی دعوت ہے۔ پوری انسانیت کی طرف اور وہ ہے دعوتِ ایمان۔ اس کائنات کے حقائق کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ یعنی یہ مانو! کہ یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی خود بخود چل رہی ہے بلکہ ایک ہستی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور وہی اب بھی اس کا حاکم حقیقی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ o﴾ (الزمر :62)

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے اور وہی سب چیزوں کا کارساز ہے''۔

یہ کائنات اور دنیا نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہی ہمیشہ رہنے والی ہے بلکہ یہ ایک مدت معین تک کیلئے ہے اور یہ با مقصد تخلیق ہے۔ اس لئے وہ دن آ کر رہے گا جس میں ہر چیز کی غرض تخلیق کا جائزہ لیا جائے کہ اس نے اپنا مقصد پورا کیا یا نہیں کیونکہ یہ بالحق پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر چہ ہر مخلوق کو فطری صلاحیتیں اور رہنمائی عطا کی ہے جس کی بنیاد پر وہ مسئول ہے اور خاص کر انسان کو تو احسن تقویم پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ دن آ کر رہے گا جس دن یہ جانچا جائے گا کہ کس نے اس مقصد تخلیق کو پورا کیا۔ یہ ہے دعوت اس الہدیٰ کی۔ چنانچہ اصل اساسات مسئولیت یہ ہیں۔ عہد الست، علم الاسماء، سماعت، بصارت اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور پھر نیکی بدی کی تمیز، حق اور باطل کی پہچان۔

1- ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَo اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾

''یاد کرو جب تیرے رب نے آدم کی تمام اولاد کو اپنے سامنے حاضر کیا اور ان کو خود ان کے نفس پر گواہ ٹھہرایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اقرار کیا کیوں نہیں ہم گواہ ہیں''۔ یہ اس لئے کیا کہ مبادا تم قیامت کے دن کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ یا یہ نہ کہہ دو کہ ہمارے باپ دادا مشرک تھے اور ہم ان کی اولاد تھے اس لئے ان کے بعد (مشرک ہو گئے) تو کیا ہمیں ہلاکت میں ڈالے گا ان باطل کرنے والوں کی وجہ سے''۔ (الاعراف: 172`173)

یہ ہے وہ عہد جو ہماری فطرت بنا دیا گیا ہے۔ (اسکی تفصیل عبادت رب میں آ گئی ہے)۔

2۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ہر آدم میں یہ صلاحیت پیدا کر دی کہ زمین پر جتنی چیزیں ہیں انکی خاصیتیں جان لے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور کام میں لائے اور ان کو پیدا کرنیوالے کا احسان مانے اور شکر بجالائے۔ (البقرہ) یہ ہے جس سے تمام سائنسی علوم اور عمرانی علوم وجود میں آ رہے ہیں۔

3۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (الملك:23) وہ ہے (اللہ) جس نے تم کو پیدا کیا اور پھر تمہیں سماعت بصارت اور سوچنے کی صلاحیت سے نوازا۔ بہت تھوڑا ہے جو شکر بجالاتے ہو۔

4۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:8) الہام کر دیا اسکی نافرمانی اور تقویٰ اسکے نفس میں۔

وہ خوب جانتا ہے نیکی کیا ہے، بُرائی کیا ہے؟ اور میرا کیا نہیں ہے۔ یہ ہیں ہر انسان کو ودیعت کی ہوئی بنیادیں جو مسئولیت کے لئے ہیں۔

اس لئے فرمایا وہ قیامت کا دن، یوم الآخر تو لازم ہے کیونکہ وہ تیرے رب کی رحمت کا ظہور ہے تاکہ وہ ان انسانوں کو نوازے جنہوں نے اپنا مقصد تخلیق پورا کیا ہو۔

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (الانعام 12)

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رحمت کو لازم کر لیا ہے اس لئے وہ تمہیں ضرور جمع کرے گا۔ قیامت کے دن جس کے بارے میں کوئی شک ہے ہی نہیں۔

انبیاء و رُسل کے ذریعے تو انسانوں پر حجت قائم کر دی گئی۔ ہدایت نازل کر کے اور اس پر عمل کروا کر۔ چنانچہ یہ دعوت دی جاتی رہی ہے

کہ اللہ تعالیٰ جو کتب نازل کرتا رہا ہے وہ اس کا کلام ہے جسے وہ روح الامین کے ذریعے انسانوں میں سے چنیدہ انسانوں تک پہنچاتا رہا ہے اور وہ انسان جو انبیاء ورسل ہیں وہ عمل کر کے دکھاتے رہے ہیں اور اُمت کے لئے اُسوہ حسنہ بنتے رہے ہیں۔

چنانچہ یہ ہے وہ پیغام جو الہدیٰ کے ذریعہ نازل کیا گیا اور اس کی تبلیغ' دعوت اور اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ اس کا نمونہ دیا تمام انبیاء اور رسل نے اور خاص کر محمد رسول اللہ ﷺ نے۔

اب اُمت پر اس کی شہادت کے یہی تقاضے ہیں کہ امت اپنے دور کے انسانوں تک سب سے پہلے اس کا پیغام پہنچائے' اسی کا نام تبلیغ ہے۔ چنانچہ پہلا حق الہدیٰ کا یہی ہے۔ لیکن یہ حق اب یوں ادا ہوگا کہ یہ پیغام تمام قوموں تک ان کی زبان میں پہنچایا جائے اور اس کے لئے تمام ذرائع ابلاغ استعمال کئے جائیں تا کہ حق تبلیغ ادا ہو۔ تبلیغ لوگوں تک پیغام پہنچانے کا نام ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ہمارے پاس کتاب ہے' اسے آ کر پڑھ لو۔ نہیں......اس کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔ کچھ لوگوں کو پانی کی ضرورت ہے۔ پانی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ کنویں' تالاب میں پانی موجود ہے ڈول لے کر جاؤ اور پانی لے لو۔ یہ تبلیغ نہیں ہے بلکہ پانی خود ان لوگوں تک پہنچنا چاہئے اور یہ کام کرتا ہے بادل کہ وہ خود پانی لے کر جا پہنچتا ہے تو یہ ہے تبلیغ کا عمل جو بادل ادا کرتا ہے۔ چنانچہ آج افراد کی بھی ضرورت ہے کہ وہ مختلف زبانیں سیکھیں اور قرآن کے پیغام کو تمام قوموں تک ان کی زبان میں پہنچائیں۔ لیکن اس کا مؤثر ذریعہ آج ٹیلی ویژن' انٹرنیٹ' ریڈیو' اخبارات' رسائل اور آڈیو ویڈیو کیسٹ ہیں۔ جب تک یہ ذرائع استعمال نہ ہوں گے حق تبلیغ ادا نہ ہوگا۔

دوسرا حق الہدیٰ کا یہ ہے کہ پھر ان قوموں میں سے کچھ افراد کو نکال کر لایا جائے اور اُن کو تفصیل کے ساتھ اسلام اور قرآن کی تعلیم دی جائے جسے قرآن مجید دعوت کا نام دیتا ہے۔

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾

(النحل:125)

''دعوت دو اپنے رب کے راستہ یعنی صراط مستقیم کی طرف دلیل کے ساتھ، اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے مناظرہ کرو بہترین طریقہ پر۔

یہ ہیں تین طریقے دعوت قرآن کا حق ادا کرنے کے۔ ایک گروہ وہ ہونا چاہئے جو قرآن مجید کی حکمت حاصل کرے اور پھر دوسروں کے باطل فلسفے پڑھے اور پھر قرآن وحدیث کی تعلیم کے ذریعہ ان کا باطل ہونا ثابت کرے اور صحیح نظریات اور حکمت قرآنی عام کرے۔

دوسرا گروہ وہ تیار ہو جو عوام الناس تک قرآن کی تعلیم اچھے وعظ کے ذریعے پہنچائے اور تیسرا گروہ وہ ہو جو دوسرے مذاہب کا پرچار کرنے والوں کے ساتھ مناظرہ کرے۔ ان کا غلط ہونا عوام کے سامنے لائے تا کہ ان کے اثرات سے عوام الناس بچ سکیں۔

تیسرا حق الہدیٰ کا یہ ہے کہ اس کی وہ اقدار اور اخلاق حسنہ جو وہ معاشرے میں پروان چڑھانا چاہتا ہے ان کو عام کیا جائے اور جن رذائل اخلاق کی وہ نکیر کرتا ہے ان کی شناعت اور برائی کو مبرہن کیا جائے۔ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر باللسان، عبدیت' سچائی' امانت و دیانت' عہد کی پاسداری' صلہ رحمی' صبر وشکر' حیاء اور توکل علی اللہ کے اوصاف کے نمونے پیدا کئے جائیں اور ان کی ترویج ہو اور تکبر وغرور' جھوٹ' بد دیانتی' بدعہدی' قطع رحمی' غصہ وغیبت' بے حیائی اور فحاشی اور اوہام پرستی جیسی برائیوں کے بارے میں آگاہ کیا جائے اور ان کے مضر اثرات سے معاشرے کو بچانے کی کوشش کی جائے۔

اس کے لئے بھی تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جائے اور پھر کردار کے عملی نمونوں کے ذریعہ مثالیں قائم کی جائیں۔ یہ ہیں تین حق جو

الہدیٰ کی شہادت کے لوازمات ہیں اور فریضہ کی ادائیگی اس کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دین الحق کی شہادت:

دوسری چیز ہے المیزان اور اس کی شہادت جسے قرآن مجید میں اب دین الحق قرار دیا گیا ہے۔
اس شہادت کی اہمیت اس سے عیاں ہوتی ہے کہ سورہ الحج کی آخری آیت میں بھی ذکر دین ہی کا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾

''اور دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمان قرار دیا گیا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ بن جائیں اور پھر تم گواہ بن جاؤ تمام انسانیت کے لئے۔''

سورہ الحدید میں انبیاء ورسل کی بعثت کی غرض وغایت یہی قرار پائی کہ لیقوم الناس بالقسط۔ تاکہ لوگوں میں عدل اجتماعی قائم ہو جائے میزان کے ذریعہ۔

اور پھر نبی اکرم ﷺ کے لئے جو خصوصی آیات نازل کی گئی ان میں دین الحق کا مقصد یہ قرار پایا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کیا جائے۔ یہ نہایت ضروری ہے کیونکہ عوام اکثر و بیشتر جس نظام کے تحت ہوں ان کے لئے اس کے خلاف عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے اور وہ تابع ہوتے ہیں حکمرانوں اور جاگیرداروں کے۔ کیونکہ انہیں کا دین ان پر مسلط ہوتا ہے۔

دین کیا ہے؟

اب جان لینا چاہئے کہ دین ہوتا کیا ہے۔ دین کے بنیادی معنی تو بدلہ کے ہیں جیسے سورہ فاتحہ میں آیا' مالک یوم الدین اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے بدلے کے دن کا۔لیکن یہ بدلہ کس بنیاد پر ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی قانون' دستور کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ جس کے ماننے اور نہ ماننے پر جزاوسزا ہوتی ہے۔ اس لئے دین نام ہے اس دستور العمل اور ضابطہ حیات کا جو اجتماعی زندگی کی بنیاد ہوتا ہے اور ساری ریاست کے لئے معین ہوتا ہے کہ اس کے تحت ان کے معاملات طے پائیں۔

اس لئے دین کی نسبت اس ہستی کی طرف ہوتی ہے جو یہ دستور بنانے اور اس میں ردوبدل کا اختیار رکھتا ہو جیسے سورۃ یوسف میں آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنا چاہتے تھے لیکن جو دین الملک وہاں رائج تھا اس کے تحت نہ روک سکتے تھے بلکہ انہوں نے شریعت ابراہیمی کا سہارا لیا جس میں چور کی سزا یہ مقرر تھی کہ اگر چوری ثابت ہو جائے تو چور کو اس کی غلامی اختیار کرنا پڑتی تھی جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی اور اس قانون کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام نے تدبیر کی اور بھائی کو روک لیا۔ یہی اطلاق ہوتا ہے آج کل کے جمہوری نظام کے لئے۔ یہ دین الجمہور ہے کیونکہ یہاں اختیار جمہور کے نمائندوں کے پاس ہوتا ہے۔ یہی دین اس وقت دین الحق قرار پائے گا جب یہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے موافق ہو جائے گا اور یہی فریضہ رہا ہے ہر رسول کا کہ وہ اس دین کو قائم کرے جس میں دستور العمل یہ قرار پائے کہ تمام معاملات میں یہ طے کر لیا جائے کہ کوئی قانون نہ بنایا جاسکے گا جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ہو۔

اس لئے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کیوں ہمیشہ ہر قوم کے دارالخلافہ میں مبعوث فرماتا رہا ہے کیونکہ ہر قوم میں

رائج نظام دارالخلافہ میں قابض بادشاہ/ سرداران قوم کا دیا ہوا ہوتا ہے اور جب تک اسے نہ بدلا جائے دوسرا کوئی دستور رائج نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی ریاست/ ملک میں دو دستور نافذ نہیں ہوسکتے۔ جیسے فرمایا ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ (القصص ۵۹) اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی مرکزی بستی (دارالخلافہ) میں رسول نہ بھیج دے جوان کو پڑھ کر سنائے ہماری آیات۔ اور ہم نہیں ہلاک کرتے رہے بستیوں کو مگر اس وقت جب ان کے رہنے والے ظلم کرنے لگے اور یہ ظلم کرتے رہے ہیں تمام قوموں کے سردار کہ اللہ کے رسول کے آنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے اور اپنے ظالمانہ نظام کو نہیں بدلتے کیونکہ ان کے مفادات اور حیثیت اسی استحصالی نظام کی بنیاد پر ہوتی ہے جو وہ چلا رہے ہوتے ہیں۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مقصدِ بعثت

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (الشوریٰ:7)

''اور اس طرح ہم نے آپؐ کی طرف قرآنِ عربی وحی کیا ہے تاکہ آپؐ آگاہ کردیں مکہ والوں کو اور جوان کے چاروں طرف ہیں اور آگاہ کردیں اس جمع ہونے کے دن کے بارے میں جس کے بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔''

عرب میں اگرچہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی لیکن دین کے لحاظ سے سکہ قریش ہی کا پورے عرب پر جاری تھا اور وہی ان کے دینی پیشوا تھے اور پورا عرب ان کے تابع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکہ والوں نے دین الحق کو قبول نہیں کیا تو سید المرسلینؐ کو بھی اس طرح ہجرت اختیار کرنا پڑی جیسے پہلے رسولوں کو کرنا پڑی تھی اور یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مدینہ میں آپ کی حیثیت کو مان لیا گیا اور پورا مدینہ آپؐ کے تابع ہوگیا لیکن عرب کے تمام قبائل ایمان نہیں لائے اور نہ ہی اس تبدیلی کو ''دین عرب'' کی تبدیلی مانا گیا۔ کیونکہ مدینہ والوں کا دین عرب میں رائج نہ تھا لیکن جب مکہ فتح ہوگیا تو پھر پورا عرب اسلام لے آیا اور دین الحق پورے عرب پر قائم ہوگیا کیونکہ نظام شرک کا خاتمہ ہوگیا اور اس کا اختیار رکھنے والے اور اسے رائج کرنے والے مغلوب ہوگئے۔

تخریب حسین کردیتی ہے تعمیر کے نقش ناقص کو
بت خانے کی قسمت کیا کہئے اجڑے تو حرم بن جاتا ہے

اس سے پہلے عرب کے عوام کو دین الحق اختیار کرنے میں کتنی دشواری تھی اور عوام الناس کس طرح مجبور تھے لیکن دین اسلام کے ام القریٰ میں غالب ہونے سے تمام رکاوٹیں دور ہوگئیں اور تمام عرب کے لئے آسانی پیدا ہوگئی تاکہ دین الحق کے تحت اپنا مقصد زندگی پورا کرسکیں۔

5ھ میں سورۂ نور میں اسی لئے مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ جلد ہی یہ خوف و ہراس ختم ہو جائے گا اور اللہ اپنے دین کو تمکن عطا کرے گا اور تمہیں خلافت ارضی سے نوازے گا۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور:55)

''اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اپنے مومن بندوں سے جو عمل صالح اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ان کو لازماً زمین کی خلافت عطا کرے گا جیسے اس نے پہلوں کو خلافت عطا کی اور لازماً ان کے دین جس کو اس نے پسند فرمایا ہے تمکنت عطا کرے گا اور ان کی خوف کی حالت لازماً

امن میں بدل دے گا تا کہ وہ میری بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے زندگی گزاریں اور میرے مقابلے میں کوئی معبود نہ رہے۔ پھر اگر کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو وہ ہوگا اصل میں نافرمان۔''

یہ ہے وہ غلبہ دین الحق جو اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کا مقصد بعثت قرار دے رہے ہیں اور دنیا میں اس کا نفاذ بالفعل کرتا رہا ہے۔ یہ اتنا اہم فریضہ تھا کہ اگر باطل نظام کے بااختیار مترفین نے اس کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو اور پوری قوم کو ہلاک کرتا رہا ہے اور پھر اپنے رسولوں کے ذریعہ دنیا میں وہ نظام حق رائج کرواتا رہا ہے جو ان کو دے کر بھیجتا تھا۔ یہی ہوا ہے حضرت نوحؑ، ہودؑ، شعیبؑ اور موسیٰ علیہم السلام کے ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سید المرسلینؐ کی قوم کو ہلاک نہیں کیا۔ اگرچہ 13 سال تک ان کو دعوت دینے کے باوجود انہوں نے نہیں مانا اور پہلے رسولوں کی طرح آپؐ کو ہجرت کرانا پڑی۔ اس لئے کہ آپؐ آخری رسول تھے اور آپؐ کے بعد یہ فریضہ اُمت کے سپرد ہونے والا تھا۔ اگر آپ کے دور میں بھی یہ کام معجزہ سے ہو جاتا تو بعد والوں کے لئے نمونہ نہ بنتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے غلبہ دین حق انسانی جدوجہد کے ذریعہ کروایا اور ان تمام مراحل سے اپنے رسول اور اُمت کو گزارا جو اس کیلئے ناگزیر تھے تاکہ بعد والوں کے لئے اسوہ حسنہ موجود رہے اور امت اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے رہنمائی حاصل کرتی رہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصی حیثیت:

نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت قرآن مجید میں تین مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر ان مقامات کا سیاق وسباق دیکھا جائے تو بات زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

پہلی دفعہ یہ آیت نازل ہوئی سورہ الصّف میں۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف:9)

''وہ اللہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین الحق دے کر تاکہ دین الحق کو غالب کریں تمام ادیان پر اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناپسند ہو۔''

یہ وہ موقع تھا جب پورا عرب جمع ہوکر مدینہ پر چڑھ دوڑا تھا اور مسلمانوں پر بہت کڑا وقت تھا۔ ان حالات میں فرمایا گیا کہ گھبراؤ نہیں۔ ہم نے تو اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ دین الحق کو غالب کریں تمام ادیان پر۔ لیکن اس کے لئے جان ومال تو ایمان والوں کو لگانا پڑے گا اور دیکھو عنقریب ہم تمہیں غلبہ عطا فرمائیں گے اور اے رسول (ﷺ) مسلمانوں کو بشارت دیجئے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍo تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُo وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَo﴾

ایمان والو! میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو۔ مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو۔ (الصف ۱۲-۱۰)

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد فرمادیا تھا۔اے مسلمانو!اب قریش تم پر دوبارہ حملہ آور نہ ہوسکیں گے بلکہ تم قریش پر حملہ آور ہو گے۔

لیکن پھر دوبارہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صلح حدیبیہ سے یہ مغالطہ پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا کہ دین الحق تمام ادیان پر غالب ہوگا لیکن یہاں یہ مان لیا گیا کہ دین قریش بھی جاری رہے اور دین الحق بھی اور اس معاملے میں باہم جنگ نہ ہوگی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے پھر آیت نازل فرمائی اور واضح کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ دین الحق غالب ہو۔(یعنی یہ صلح کا معاملہ اور دین قریش کو مہلت کا معاملہ وقتی/ عارضی ہے) اور جان لو اللہ تعالیٰ کافی ہے مدد گار یا گواہ کہ یہ ہو کر رہے گا۔﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ (الفتح ۲۸) چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سال میں دین الحق کا غلبہ ہو گیا۔فتح مکہ کے ساتھ ہی تمام عرب نے دین اسلام کے غلبہ کو قبول کر لیا اور اللہ کی حکمرانی پورے عرب میں نافذ ہو گئی۔کیونکہ پہلا دین اور اس کے محافظ مغلوب ہو گئے۔گویا وہ مقصد جو تمام رسولوں کا تھا کہ لوگوں میں عدل اجتماعی قائم ہو وہ پورا ہو گیا۔اب پھر تیسری بار اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو نازل کیا اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہ دین الحق کا غلبہ صرف مشرکین عرب کے دین پر ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس دین الحق کو سابقہ تمام ادیان پر بھی غالب کرنا ہے کیونکہ ان کی مدت ختم ہو گئی اور اب وہ دین نہیں رہے بلکہ اب تمام انبیاء ورسل کے امتیوں کو بھی اسی دین الحق کے تابع رہنا ہو گا اور انفرادی طور پر اگر وہ چاہیں تو اپنے دین کو مذہب کے طور پر جاری رکھیں یعنی عقائد' عبادات ورسومات کی حد تک اپنے دین پر عمل کرتے رہیں لیکن اجتماعی زندگی میں ان کو دین الحق کے تابع رہنا ہو گا۔چنانچہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (التوبہ:29)

''اے مسلمانو تمہاری جنگ جاری رہنا چاہئے ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ان کے ساتھ جو ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ جو دین الحق کو اپنا دین نہیں مانتے۔اہل کتاب میں سے بھی یہاں تک وہ جزیہ ادا کریں اور دین الحق کے نیچے رہ کر زندگی گزاریں''۔

یہ ہے وہ مقصد جو سید المرسلمین احمد المجتبیٰ اور آخر الرسل کا قرار دیا گیا ہے کہ وہ دین الحق جو ان کو دیا گیا ہے وہ تمام زمین پر غالب ہو اور باقی تمام ادیان اس کے تابع ہو جائیں اور مذہب کی حیثیت سے چاہے جاری رہیں لیکن وہ دین کے طور پر رائج نہیں رہنے چاہئیں۔

لیکن صد افسوس ہے کہ جن اہل کتاب کے بارے میں حکم آ گیا تھا کہ ان کو اپنا دین اب دین الحق بنانا ہو گا اور اگر دین الحق کو قبول نہ کرنا ہو تو اپنے دین کو مذہب بنالیں۔یعنی انفرادی زندگی میں اسی پر عمل پیرار ہیں لیکن اجتماعی اور ریاستی معاملات میں ان کو دین الحق کے تابع رہنا ہو گا۔کیونکہ یہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اب ساری انسانیت کے لئے قیامت تک پسند فرمالیا ہے۔وہ آج اپنا دین تمام دنیا پر غالب کئے ہوئے ہیں اور مسلمانوں' حامل الہدیٰ اور دین الحق ان کے دین کے تحت مذہب اسلام پر عمل پیرا ہیں اور گویا جزیہ ادا کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ حالت کیوں ہوئی' اس لئے کہ دین اسلام کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم کر دیا تھا کہ وہ جماعتی زندگی کا التزام کریں اور اجتماعی قوت کے ساتھ اس دین کو غالب رکھیں لیکن جب دین و دنیا کی تقسیم مسلمانوں میں راسخ ہوئی تو دین مذہب بن گیا اور دنیا میں سیاسی اقتدار علیحدہ سمجھ لیا گیا اور جب امت میں ذاتی اقتدار کی ہوس کے تحت علاقائی حکومتیں بن گئیں تو اجتماعیت ختم ہو گئی اور امت قوموں میں بٹ گئی اور سیاسی اقتدار سے محروم ہو گئی۔گویا دین الحق والا حصہ ان سے چھن گیا اور وہاں مغرب کی اجارہ داری قائم ہو گئی اور مسلمان صرف مذہب اسلام کو ہی سب کچھ سمجھ کر اس پر قانع ہو کر زندگی گزارنے لگے اور اس کی بنیاد پر مسلکوں میں بٹ گئے اور ان کی قوت پارہ پارہ ہو گئی اور مذہب کے لئے چونکہ اجتماعی زندگی ضروری نہیں تھی اس لئے جماعتی نظم ختم ہو گیا۔اب علماء کرام جو اصل دین کے حامل تھے وہ چونکہ مذہب

اسلام پر عمل پیرا ہیں اس لئے ان کے ہاں کوئی نظم جماعت نہیں ہے حالانکہ دین اسلام/ دین الحق کا تو تصور بغیر جماعتی زندگی کے محال ہے۔ اس جماعت کی شرائط یہ ہیں کہ وہ دین کے غلبہ کیلئے ہو۔اس کا نظم سمع وطاعت کے مسنون نہج پر ہو۔اس کی قیادت میں للٰھیت نظر آئے۔اسی لئے سورہ الصّف ہی میں فرمایا گیا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾ (الصف:14)

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ اور ہمارے رسول کی نداء پر لبیک کہتے ہوئے خود کو جماعتی نظم میں دو جس کی رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ابتدا فرمائی کہ مدینہ کے 75 افراد میں سے 12 نقباء مقرر کئے اور پھر ان کی اطاعت کے لئے بیعت لی۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں:

((بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ، وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا، وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ، وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا، لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ)) (متفق علیہ)

''ہم نے بیعت کی رسول اللہ ﷺ سے سننے اور ماننے کی' آسانی میں بھی اور تنگی میں بھی۔ دل کی آمادگی پر بھی اور کراہت پر بھی اور اس پر بھی کہ خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دے دی جائے اور ہم جھگڑا نہ کریں گے اہل امر کے ساتھ اور حق بات کہنے کی جہاں موقع ہو اور اللہ کے معاملے میں ہم کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔'' (متفق علیہ)

یہ ہے دین کے لئے اجتماعیت کی بنیاد اور جس کے بارے میں ارشاد ہے حضرت عمرؓ کا۔

لا اسلام الا بالجماعۃ (سنن دارمی)

''اسلام کا کوئی تصور نہیں ہے بغیر اجتماعیت کے''۔

اور قول رسول اللہ ﷺ

''یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ''

اللہ کی تائید اور نصرت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جس کے بارے میں ایک دوسرا فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے۔

عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ اِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ مَنْ اَرَادَ بَحْبُوْحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ (الترمذی)

''اے مسلمانو! جماعت کا التزام کرو اور انفرادی زندگی گزارنے سے بچو۔ کیونکہ جب انسان اکیلا ہو تو شیطان ساتھی بن جاتا ہے اور جب دو انسان جماعت کی صورت اختیار کرلیں تو وہ ان سے دور رہتا ہے۔ جس کو جنت کی خوشگواری مطلوب ہو اس کو التزام جماعت کرنا چاہئے۔''

اگر آج امت مسلمہ کو یہ بھولا ہوا سبق یاد کروا دیا جائے کہ دین اسلام کا لازمی تقاضا جماعتی زندگی ہے کہ اس کے بغیر دین الحق کا غلبہ ممکن نہیں اور ہر مسلمان پر التزام جماعت لازم ہے تو آج بھی مسلمان یکجا ہو کر دین کے غلبہ کے لئے جماعت بنائیں اور پھر دین کو اپنے ملک میں غالب کرنے کے لئے جہاد کرنا شروع کردیں جیسے جہاد کا حق ہے تو آج پھر دین الحق غالب ہوسکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت مکمل ہو سکتا ہے اور پوری زمین پر اللہ کی حکمرانی رائج ہوسکتی ہے اور دوبارہ خلافت راشدہ کا نظام قائم ہوسکتا ہے جس کے لئے پیشینگوئی کر رکھی ہے نبی اکرم ﷺ نے کہ یہ دین تمام روئے ارضی پر غالب ہو کر رہے گا اور ہر جگہ میں داخل ہو کر رہے گا خواہ گھر والے کی عزت کے ساتھ یا گھر

والے کی ذلت کے ساتھ یعنی وہ مغلوب ہو اور جزیہ ادا کرے اور دین الحق کی حکمرانی کے زیرِ سایہ زندگی گزارے۔

یہی دعوت ہے اور فریضہ ہے جس کی خاطر تنظیم اسلامی بنائی گئی ہے کہ مسلکوں سے اوپر اُٹھ کر دین کے غلبہ کے لئے کام کیا جائے کیونکہ مسلک تو سارے اسلام کے اندر ہی ہیں لیکن دین اللہ کہیں غالب نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو کسی ملک میں بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ کہیں شہنشاہیت چل رہی ہے اور کہیں جمہوریت حالانکہ مطلوب ہے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انسانوں کی خلافت جو پابند ہو اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تمام مسلمانوں کو اپنا مقام پہچاننے اور فضیلت امت کو حاصل کرنے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اخلاقیات

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

خلق اس پختہ نفسیاتی کیفیت کو کہتے ہیں جس سے وہ اچھے یا بُرے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو انسان ارادہ واختیار سے کرتا ہے۔ اگر عهد الست بربکم واقعی انسان کی فطرۃ صحیحۃ بن جائے تو اچھے اعمال بلاتکلف صادر ہوں گے اور اسی کا نام خُلُق حَسَن یا اچھا اخلاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے انسان کو یہ شرف بخشا ہے کہ اسے دو وجود عطا کئے ہیں۔ اس میں اگر بہیمیت ہے تو نورانیت بھی ہے۔ اس کا جسد خاکی جو خاک سے بنایا گیا ہے اس کی تمام ضروریات بھی خاک سے پوری ہوتی ہیں اور وہ انسان کو اپنی ضروریات کے لئے اس مادی دنیا ہی کی طرف کھینچتا ہے، کیونکہ اس کی تمام خواہشات اسی مادی ذرائع و وسائل سے پوری ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا نورانی جسد جو نور سے پیدا کیا گیا ہے اس کی غذا بھی نورانی ہے اور وہ انسان کو اس دنیا کی طرف لے جانا چاہتا ہے جہاں اس کی سیرابی کا سامان ہے۔ اگر انسان اس جسم کی غذا کو نظر انداز کر کے اپنے جسد خاکی کی چاہت کا غلام ہو جائے تو اس جسم روحانی میں ایسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے اصل سے دور ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تک کہ اپنے عہد الست میں کئے گئے وعدہ کے برخلاف اس مادی دنیا کی کسی ہستی یا وسائل کو اپنا رب بنا لیتا ہے۔ اس سے بچنے کا ذریعہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی خواہشات کو قابو میں رکھے اور اپنی روح کی غذا کا سامان کرتا رہے اور اسے اپنے عہد کی یاد دلاتا رہے کیونکہ اسی پر زندگی گزارنا انسان کا اصل مقام ہے۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ ''وہ مراد پا گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔ اور وہ نامراد ہو گیا جس کے نفس کی خواہشات نے اُسے ڈھانپ لیا۔''

1- عبدیت

عہد الست کی رو سے انسان کا اصل مقام عبدیت ہے اور اس کی بلند ترین صورت یہ ہے کہ وہ عبدہ بن جائے اور جسے اللہ تعالیٰ یہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے تو انسان کا یہی سب سے بڑا اعزاز ہے۔ جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی قرآن میں ذکر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی صفت کو اجاگر فرماتے ہیں اور باقی انبیاء ورسل کے لئے بھی اس کو طرہ امتیاز قرار دیا ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر
ایں سراپا انتظار اُو منتظر

چنانچہ سورۃ اسریٰ میں جہاں معراج کے زمینی سفر کا ذکر ہے وہاں فرمایا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَہٗ عِوَجاً﴾ (الکھف)

''سارا شکر اللہ کے لئے ہے جس نے اتاری کتاب اپنے بندے پر اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رہنے دی۔''

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا o﴾ (الملك)

''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل کیا فرقان اپنے بندے پر تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے خبردار کرنے والا ہو جائے۔''

یہاں تک کہ جب معراج پر آپ تشریف لے گئے تو وہاں پر بھی ذکر اسی نسبت سے ہوا۔

﴿وَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی﴾

''اور وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی''اور فرمایا

﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ﴾

''کیا اللہ کافی نہیں ہے اپنے بندے کے لئے''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے الوہیت میں شامل کرلیا ان کا رتبہ بڑھانے کے لئے، حالانکہ ان کا اصل مقام عبدیت ہے، اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿لَنْ یَسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ﴾

''حضرت عیسیٰؑ ہرگز عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے کہلائیں۔''

انسان کی اس حیثیت کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا ہی خلق عظیم کہلاتا ہے۔ جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿مَامِنْ شَیْءٍ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ﴾ (رواہ ترمذی) میزان میں اخلاق حسنہ سے بھاری کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور فرمایا ﴿اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ﴾ (موطا امام مالک) میری بعثت حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے۔ اور فرمایا ﴿اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا﴾ (رواہ ترمذی) سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں بہترین ہے۔ ﴿سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عن اکثر ما یدخل الناس الجنۃ قال تقویٰ اللہ وحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ اَکْثَرَ مَا یَدْخُلُ النَّاسَ النَّارَ فَقَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ﴾ (رواہ ترمذی) رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز لوگوں کی کثرت کو جنت میں داخل کرے گی، فرمایا! اللہ کا تقویٰ اور حسن اخلاق۔ پوچھا گیا جہنم میں اکثریت کو لے جانے والی کون سی چیز ہے فرمایا منہ اور شرمگاہ۔

انسان جب اپنے اس عہد کو بھلا دیتا ہے فطرۃ صحیحہ کو عقل سلیم کے تحت پروان نہیں چڑھاتا اور شر نفس غالب آجاتی ہے تو پھر سب سے جو بڑی باطنی بیماری پیدا ہوتی ہے وہ ہے تکبر جس کے نتیجے میں وہ خود بڑا ابن بیٹھتا ہے اور اپنے مالک حقیقی کی عبدیت سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ شیطان بھی اسی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا۔ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلاَّ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o﴾ جب ہم نے فرشتوں سے مطالبہ کیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ۔ سجدہ کیا تمام (فرشتوں) نے مگر ابلیس نے انکار کیا اور بڑا ابن

بیٹھا اور ہو گیا ناشکروں میں سے۔ اور فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ﴾ المومن ''بے شک وہ جو تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے (میرا بندہ ہونے سے) وہ جلد ہی داخل کر دیئے جائیں گے جہنم میں ذلیل کر کے۔'' اور فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ کِبَرٍ فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَناً وَ نَعْلُهٗ حَسَناً قال: اِن اللّٰہ جَمِیْلٌ و یُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ و غَمْطُ النَّاسِ) (رواہ مسلم) جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوا۔ ایک صحابی نے عرض کی بے شک ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا خوبصورت ہو تو کیا یہ تکبر ہے۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دیا جائے اور انسانوں کو حقیر جانا جائے۔ گویا تکبر اصل میں روح کی بیماری ہے کہ اس میں غرور آ جاتا ہے اور پھر انسان حق کو قبول کرنے کی بجائے خود بڑا بن بیٹھتا ہے اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہی اپنے عہد سے انحراف ہے اور شیطان نے بھی یہی کچھ کیا تھا کہ ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم سے اور ہو گیا کافروں میں سے۔

اور یہی وجہ رہی ہے تمام رسولوں کی یاددہانی سے روگردانی کرنے والوں کی کہ انہوں نے اپنی سرداری اور دنیا کے سامان کو پانے کی وجہ سے (مترفین) حق کو ٹھکرا دیا اور اپنی بڑائی کا دعویٰ کر دیا اور رسولوں کو حقیر جانا۔ اس تکبر کی ایک ظاہری نشانی بھی ہے جو انسان کی چال ڈھال اور اس کے لباس سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید میں الفاظ آئے ہیں۔ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً ط اِن اللّٰہ لا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ o﴾ اپنے گالوں کو پھیلائے نہ پھرو، لوگوں کے لئے اور نہ اُترا کر چلو زمین پر۔ اللہ تعالیٰ ہر اکڑ باز شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ) (رواہ البخاری) جس نے اکڑ، تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے نیچے چھوڑے (ٹخنوں سے) اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں کریں گے قیامت کے دن۔ ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً o﴾ اور زمین پر تمکنت سے نہ چلو تم اللہ کی زمین کو پھاڑ نہ سکو گے اور پہاڑوں کی بلندی تک نہ پہنچ جاؤ گے۔

2- صدق

دوسری خوبی جو بندۂ مومن کے ایمان کا تقاضیٰ اور روح کی بالیدگی کا مظہر ہے وہ صدق مقال اور تصدیق حق ہے۔ صدق اصل میں اپنے مقام کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے کہ عبد ہونے کے ناطے جو اس سے توقع ہے وہ اس کو سچ کر دکھائے اور ہر سچ کی تصدیق کرے۔ ﴿وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ ''اور وہ جو لے کر آیا سچائی اور جس نے اس کی تصدیق کی ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی o وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی o﴾ جس نے دیا (اللہ کے دیئے ہوئے مال سے) اور بچا (اللہ کی نافرمانی سے) اور تصدیق کی اچھائی کی۔

صدق ہوا۔ سچ کر دکھانا۔ تصدیق کرنا۔ وفاداری کرنا اور اپنے مقام کے تقاضوں پر پورا اترنا۔ ﴿صَدَّقَتْ بِکَلِمَاتِ رَبِّهَا وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ﴾ اس (مریمؑ) نے تصدیق کی سچا جانا اپنے رب کے فرمان کو اور وہ تھی فرمانبرداروں سے۔

اور اللہ تعالیٰ دنیا میں جو ابتلا کرتا ہے تو اسی لئے کہ وہ جان لے کون ہے جو سچے ہیں اور کون ہیں جو جھوٹے ہیں۔ ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ o﴾ پس دوسرا بڑا روگ جو انسان کی روح کو لاحق ہوتا ہے وہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ کیوں انسان بولتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کو چھپانے کے لئے جھوٹ بول کر اپنے نفس کی عزت کو شرمندگی سے بچاتا ہے۔ ﴿اِتَّخَذُوْا

اَیْمَانَھُمْ جَنَّۃً فَصَدُّوْ اعَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ ان (منافقین) نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے اللہ کی راہ سے رکنے (کے جرم) سے۔ جان بچانے کے لئے جہاد کے لئے جاتے نہیں لیکن اپنی کوتاہی کو جھوٹی قسموں سے چھپاتے ہیں۔﴿فَلَا صَدَقَ وَ لَا صَلّٰیoوَلٰکِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی﴾ نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑا۔

اس سے بھی بڑھ کر ہے جھوٹی گواہی کیونکہ اس کے ذریعہ انسان یا تو کسی کو ناحق فائدہ پہنچا تا ہے یا کسی کو سزا سے بچاتا ہے اور اسی کا نام ظلم ہے۔ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ نے اسے شرک کے مترادف قرار دیا ہے فرمایا ہے ﴿وَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْقَوْلَ الزُّوْرِ﴾ بچو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی گواہی سے اور آنحضورؐ نے اسے شرک کے برابر قرار دیا ہے۔(قَوْلَ الزُّوْرِ تَعْدِلُ اْلِاشْرَاکُ بِاللّٰہِ) جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بزدل ہوسکتا ہے بخیل بھی لیکن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اسی کی ایک صورت کذب بیانی ہے کہ کوئی اللہ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے یعنی یہ کہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ نہ فرمایا ہو۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ اَوْ کَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْجَاءہٗ اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا سچ کو جھٹلا رہے جب سچ اس کے پاس آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو فرمان بھی سامنے رہنے چاہئیں۔ (اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ اِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْکِذْبَ فُجُوْرٌ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ وَمَایَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ حتّٰی یُکْتَبُ عنداللّٰہِ کَذَّاباً) (متفق علیہ) بے شک سچائی ہی نیکی و وفاداری ہے اور وفاداری انسان کی رہنمائی کرتی ہے جنت کی طرف اور جھوٹ نافرمانی ہے اور نافرمانی جہنم تک لے جانے والی ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا زَعِیْمُ بَیْتٍ فِی وَسْطِ الْجَنَّۃِ لِمَنْ تَرَکَ الْکِذْبَ وَاِنْ کَانَ مَازِحاً) (ابو داؤد)

''آپؐ نے فرمایا میں درمیانی درجہ کی جنت میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں اس شخص کو جو جھوٹ چھوڑ دے خواہ وہ مزاح ہی میں ہو۔''

3-امانت داری وایفائے عہد

اجتماعی زندگی یعنی پبلک لائف میں ذمہ داریوں اور حقوق کا باہم معاملہ ہوتا ہے۔ نظام خلافت/ ریاستی زندگی میں ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں ذمہ دار ہوتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان کیا ہے: ﴿کلکم مسئولٌ و کلکم مسئول عن رَعِیَّتِہٖ اْلِامامُ راعٍ ومسئولٌ عن رَعِیَّتِہٖ والرجل راعٍ فی اھلہٖ ومسئول عن رَعِیَّتِہٖ والمرأۃ رَاعِیَّتِہٖ فی بیت زوجھا و مسئولہ عن رَعِیَّتِہٖ والخادم راعٍ فی مال سیدہٖ و مسئول عن رَعِیَّتِہٖ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رَعِیَّتِہٖ ﴾(متفق علیہ) تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم وقت نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ ہر شخص اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ ہر عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے، اس سے اس کی بابت سوال ہوگا۔ ہر خادم اپنے مالک کے سامان پر نگران ہے اس سے اس بارے سوال ہوگا۔ تم میں سے ہر کوئی نگران ہے، اس سے اس کی بابت سوال ہوگا۔

بندۂ مؤمن کے ایمان و دین کا ظہور امانت داری اور عہد کی پاسداری کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور بداخلاق یہ ہے کہ انسان بددیانت اور عہد کو توڑنے والا ہوجائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ بندۂ مؤمن وہی مراد پائے گا جو کچھ دوسری صفات کے ساتھ ساتھ اس صفت کا حامل ہوگا۔﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانٰتِھِمْ وَعَھْدِ ھِمْ رَاعُوْنَ﴾ (مومن) وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ نیز ﴿اِنَّ

اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُوَدُّو الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امانتیں صرف ان کے حوالے کرو جوان کے اھل ہوں۔اورفرمایا﴿ وَاَوْفُوْبِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً﴾ اپنے عہد پورے کرو کیونکہ وعدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ہماراایمان ودین تو اس عہد کو پورا کرنے کا نام ہے جو ہم اللہ تعالیٰ سے کر کے آئے ہیں اور امانت اللہ تعالیٰ کا وہ عہد ہے جس کا ہمیں حامل بنایا ہے۔یعنی عہد الست۔اور جس کی توثیق کرتے ہیں کلمۂ شہادت ادا کر کے جیسے فرمایا گیا﴿ وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَ مِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖ اِذْقُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی اور اپنے اس پختہ عہد کو جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں باندھ لیا ہے جب تم نے کہا بے شک ہم نے سنا اور مانا۔اب اس عہد سے بے وفائی ہے جو بد دیانتی اور بدعہدی کہلاتی ہے۔

بے ایمانی۔جو بھی فریضہ یا عہدہ انسان کو ملا ہو اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی بد دیانتی ہے۔اسی لئے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (الَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَلَہٗ) اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ لَا تَخُوْنُو االلّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُونُوْا اَمَانَاتِکُمْ﴾ اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔یہی بد دیانتی اور عہد شکنی کا دوسرا نام فسق ہے۔اور جو ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کے بعد اس کے تقاضے پورے نہ کرے وہی تو فاسق ہے۔

4-رشک اور حسد

انسان میں چونکہ مسابقت کا جذبہ ہے اس لئے یہ مطلوب ہے کہ وہ دوسروں کی خوبیوں کو دیکھ کر آگے بڑھنے کی تمنا کرے اور اس کے لئے محنت کرے۔چنانچہ غبط/رشک مطلوب ہے آپؐ نے فرمایا (الَاحَسَدَ اِلَّا فِی الا ثنَتَیْنِ) حسد یعنی رشک نہ ہونا چاہئے مگر دوصورتوں میں (۱) اللہ نے کسی کو علم دیا ہے اور وہ اس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔(۲) اللہ نے مال دیا ہو اور اسے اللہ کی راہ میں لوٹایا جائے۔ اگر رشک کا جذبہ پیدا ہوگا تو وہ علم اور مال حاصل کرنے کے لئے محنت کرے گا اور پھر اسے مخلوق کی بھلائی میں لگائے گا۔لیکن اس کے برعکس حسد اصل میں کاربگانہ ہے جس میں انسان بجائے اپنے لئے نیکی کمانے کے اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور جس کے لئے حسد کرتا ہے اس کا کچھ بگاڑنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔جیسے کہا گیا ؎

حسد کے آگ میں کیوں جل رہا ہے
کف افسوس کیوں مل رہا ہے
خدا کے فیصلے سے کیوں ہو ناراض
جہنم کی طرف کیوں چل رہا ہے

اسی لئے آنحضورؐ نے فرمایا: (اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَاتَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ وَ اِیَّاکُمْ سُوْءَ ذَاتَ الْبَیْنِ فَاِنَّھَا الْحَالِقَۃُ) بچو حسد سے کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو اور بچو آپس میں بدگمانی سے کیونکہ یہ تو مونڈ دینے والی ہے (سر کو نہیں بلکہ آپس کے تعلقات کو) حسد کی آگ انسان کے اندر کو جلا دیتی ہے۔اگر انسان اس بیماری میں مبتلا ہو گیا اور کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا ہو تو پھر توبہ کرنے کے بعد اس کا مداوا اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کرو اس کی تعریف کرو اس کو تحفہ بھیجو اور اس کی دعوت کرو۔اسی کے ساتھ ہی غیبت کسی شخص کے ذاتی عیوب کو اس کی غیر حاضری میں بیان کرنا۔اصل مطلوب ہوتا ہے اس

کا استھزا اور دوسروں کے سامنے بے عزت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ اَغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَہَتَّہٗ (مشکوٰۃ) کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے اپنے بھائی کے بارے میں کہنا جو اسے پسند نہ ہو۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسولؐ اگر وہ بات اس میں ہو جو میں کہہ رہا ہوں آپ نے فرمایا اگر اس میں ہے جو تو کہہ رہا ہے تو تم نے غیبت کی اور اگر اس میں وہ (عیب) نہیں ہے جو تو کہہ رہا ہے تو یہ بہتان ہوا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ حجرات میں اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ اگر یہ فعل ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ تو بخشش مانگ اس کے لئے جس کی تو نے غیبت کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کہ اے اللہ مجھے بھی بخشش دے اور اس کو بھی۔

5- حلم، بردباری

ایک اور خوبی جس کا قرآن مجید میں انبیاء کے حوالے سے ذکر ہے اور حدیث میں بھی تحسین ہے وہ ہے حلم اور بردباری اور معاف کرنا۔ ﴿وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (شوریٰ) بے شک جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یہ بہت ہی بڑے کاموں میں سے ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ ﴿وَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ﴾ (ص) اور ہم نے انہیں بشارت دی ایک بردبار بیٹے کی آپؐ نے فرمایا (اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ) اللہ سے مدد چاہو صبر کر کے اور نماز ادا کر کے بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس کے مقابلے میں غضب (غصہ) ہے۔ (اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنْ النَّارِ وَاَنَّ تَطْفَا النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّاءُ) غصہ شیطانی عمل ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے تو تم میں سے جس کو غصہ آ جائے وہ وضوء کرے۔ اور ایک صحابی کے عرض کرنے پر کہ اسے وصیت کی جائے آپؐ نے فرمایا (لَا تَغْضَبْ فَرَدَّ ذٰلِکَ مِرَارًا اَوْفِی رَوَایَۃٍ اُخْرٰی قَالَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْ عَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ) غصہ نہ کر و اور یہ کئی بار دہرایا اور ایک دوسری روایت میں فرمایا پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ آنے پر اپنے اوپر قابو رکھے اسی طرح اس وقت تعوذ پڑھنے کی بھی تلقین فرمائی۔

6- حیاء

انسانی صفت جو ایمان کے ساتھ لازم و ملزوم ہے وہ آپؐ نے فرمایا: (لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقاً وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ) بے شک ہر دین کے لئے کوئی اخلاق ہے اور اسلام کا خلق حیاء ہے اور فرمایا (اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ) حیاء ایمان کا حصہ ہے نیز فرمایا (اَلْحِیَاءُ وَالْاِیْمَانُ قَرَناً جَمَعاً فَاِذَا رَفَعَ اَحَدُھُمَا رَفَعَ الْاٰخَرَ) (بیہقی) ایمان اور حیاء باہم ساتھی ہیں ان میں سے ایک اٹھ جائے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔ فرمایا جو تعلیم پہلی کتابوں میں باقی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب تم میں حیاء نہیں ہے تو جو جی چاہے کرو۔ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ کے ذکر میں آیا ہے۔ ﴿فجاء ہ احدٰھما تَمْشِیْ علی الاستحیاء﴾، ان لڑکیوں (جن کے ریوڑ کو پانی پلایا تھا) میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی ﴿قال رسول اللہ ﷺ استحیوا من اللّٰہ حق الحیاء، قلنا انا نستحیی من اللّٰہ یا رسولَ للّٰہ والحمد اللّٰہ قال لیس ذلک ولکن اْلاستحیاء من اللّٰہ حق الحیاء ان یحفظ الرأس وَمَا وعیٰ وَالْبَطْنَ وما حوی وبذکر الموت والبلاء ومن ارادالاخرۃ ترک زِیْنَۃَ

الدنیا واٰثَرَ الاخرۃ علی الاولی فمن فَعَلَ ذلك استحیی من الله حق الحیاء﴾ (رواہ ترمذی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے حیاء کرو جیسا حیاء کا حق ہے۔ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ ہم تو اللہ سے حیاء کرتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔فرمایا کہ یہ شرم مراد نہیں بلکہ اللہ سے شرم یہ ہے کہ تم لوگ سر اور جو اس میں شامل ہے ان کی حفاظت کرو اور پیٹ اور جو پیٹ سے متعلق ہے ان میں شرم کرو اور موت اور ابتلاء کو ہر وقت یاد رکھو اور جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا کی زینت ترک کرنی چاہئے اور دنیا پر آخرت کو مقدم کرنا چاہئے۔جس نے ایسا کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی۔سر میں شامل کان، آنکھ اور زبان ہے اور پیٹ سے متعلق کھانا پینا ہے۔

7- بے حیائی

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے۔قرآن مجید میں جہاں ذکر ہے کہ بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ گے تو ہم چھوٹے گناہوں سے درگزر کریں گے تو وہاں بے حیائی کو علیحدہ واضح کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ بڑا گناہ ہے۔﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور وہ بچتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے۔فرمایا﴿لَا تَقْرَبُوا الْفَوٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ بے حیائی کے قریب نہ پھٹکو خواہ ظاہری ہو یا چھپی ہوئی۔آنحضورؐ نے فرمایا (لا اَحَدَ اَغْیَرُ مِنَ اللهِ وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ) اللہ تعالیٰ سے کوئی زیادہ غیرت والا نہیں اسی لئے اس نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہری ہو یا چھپی ہوئی۔

8- صلہ رحمی اور قطع رحمی

بہت تاکید ہے انسانی تعلقات کے بارے میں جن میں اللہ نے انسان کو جوڑ دیا ہے وہ ہے حسب ونسب اور اس نسبت سے رحمی رشتے (اَلرَّحْمُ شُجْنَةٌ مِنَّ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ الله تعالیٰ مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهٗ) رحم رحمان سے مشتق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو رحمی رشتوں کو جوڑے گا میں بھی اس کے ساتھ تعلق جوڑوں گا اور جو قطع رحمی کرے گا میں بھی اس سے کاٹ دوں گا۔(یعنی اپنے سے۔اپنی رحمت سے)اور آپؐ نے فرمایا(لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِیْ اِذَ قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا) بخاری صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا معاملہ کرے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب قطع رحمی کی جائے تو وہ پھر بھی صلہ رحمی کرے۔اس کے برعکس باہم رشتہ داری، قرابت داری کے معاملات میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ ہے۔

قطع رحمی۔ مَنْ قَطَعَ رَحِماً اَوْحَلَفَ عَلٰی یِمِیْنٍ فَاجِرَةٍ رَاٰی وَ بَالَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ جو کوئی قطع رحمی کرتا ہے یا کسی نافرمانی پر قسم کھاتا ہے تو وہ اس کا انجام موت سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔اِثْنَانِ لَایَنْظُرُ اللّٰهَ اِلَیْهِمَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَاطِعُ رَحِمٍ وَ جَارُ سَوْءٍ (طبرانی) دو قسم کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کو نظر رحمت نہیں کرے گا قطع رحمی کرنے والے اور بُرے پڑوسی پر۔

قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا﴿وَمَا یُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَo الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللهُ بِهٖ اَنْ یُوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِیْ الْاَرْضِ﴾ اور قرآن مجید گمراہ نہیں کرتا مگر ان کو جو نافرمان ہیں وہ جو اللہ سے پختہ عہد کر کے توڑ دیتے ہیں اور جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

9- صبر وشکر

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ظہور صبر وشکر کی صورت میں ہوتا ہے۔جو شخص واقعی ایمان حقیقی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر وشکر کی توفیق عطا کر دیتا

ہے، جیسے فرمایا ﴿ما اصاب من مصیبة الا باذن الله ومن یومن باللہ یھد قلبہٗ ان الله بکل شیء علیم ﴾ (التغابن)۔نہیں وارد ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی رہنمائی فرما دیتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں۔صبر کیا ہے، جو مصیبت اس پر وارد ہوا سے اللہ کی رضا کے لئے برداشت کرنا اور اپنے نفس کو لالچ سے روکنا۔شکر یہ ہے کہ اللہ کی عطا پر اترانے کی بجائے اس میں سے جو حقوق اللہ نے رکھے ہیں ان کو ادا کرنا اور مال کو اللہ کے دین کے لئے خرچ کرنا۔ جیسے فرمایا ﴿عجباً لِاَمر المومن اِنّ اَمْرہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خیرٌ ولیس ذلك لِاَحَدٍ اِلاّ لِلْمُؤمن اِن اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فکان خیراً لَّہٗ واِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّ اءُ صَبَرَ فکان خیراً لہٗ﴾ (رواہ مسلم) مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کے جملہ اُمور اس کے لئے خیر و برکت ہیں اور یہ صرف مومن کے لئے ہیں۔اگر کوئی خوش کن معاملہ ہوتا ہے وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے۔اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔انسان میں بے صبری اور ناشکری بہت ہے، جس کا ذکر ہے سورۃ المعارج میں ﴿اِن الْاِنْسَانَ خُلِقَ هلوعاً اِذَامَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْ عاً وَاذامَسَّہُ الخیر منوعاً الا المصلین﴾ انسان میں تھڑ دلی رکھی گئی ہے، جب اسے تکلیف آتی ہے واویلا کرتا ہے اور جب مال ملتا ہے تو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ہاں یہ معاملہ نمازیوں (یعنی صاحب ایمان) کا نہیں ہے۔فرمایا ﴿استعینو بالصبر والصلواۃ﴾ مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

10-توکل

انسان کا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے اور اس کائنات میں جو اللہ تعالیٰ کی حیثیت ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسباب وعلل کی بجائے مسبب الاسباب اور مالک حقیقی پر بھروسہ ہو اور اسی پر ہی توکل کیا جائے۔اسباب کو استعمال نہ کرنا توکل نہیں ہے بلکہ اسباب کے ہوتے ہوئے ان پر بھروسہ نہ ہو۔اسباب کو استعمال نہ کرنا تو مصیبت ہوگی۔ کیونکہ اللہ نے انہیں انسانوں کے لئے استعمال کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿الزھادۃُ فی الدُّنیا لَیسَتْ بتحریم الحلالِ لاباَضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰکن الزَّھارَۃُ فِی الدنیا اَنْ لَّاتکُوْنَ بما فی یَدَیْكَ اَوْثَقَ بما فِی یَدِ اللهِ﴾ (رواہ الترمذی وابن ماجہ) زہد حلال کو حرام کر لینے اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے پاس ہے اس پر زیادہ اعتماد نہ ہو یہ نسبت جو اللہ کے پاس ہے۔ہجرت کے وقت کتنی احتیاط کی۔غار ثور میں پناہ لی،لیکن جب مشرک وہاں پہنچ گئے تو فرمایا ﴿لاتخزن ان الله معنا﴾ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ﴾ کیا اللہ بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔توکل کو ختم کرنے والی چیز ہے اوھام پرستی جو ایمان باللہ کو ختم کر دیتی ہے جنتر، منتر، عملیات اور فال وغیرہ پر اعتماد۔آپؐ نے فرمایا (یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفاً بَغَیْرِ حِسَابٍ ھُمَ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرقُوْنَ وَلاَ یَتَطَیَّرُوْنَ وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ) (متفق علیہ) میری امت کے ستر ہزار جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے وہ ہوں گے جو نہ دم کراتے رہے اور نہ ہی فالیں نکلواتے رہے اور ان کا توکل اپنے رب پر ہوتا تھا۔یہ چیزیں اللہ سے توکل ختم کروا دیتی ہیں اور صرف ان علوم سفلی پر ہی یقین رہ جاتا ہے یہ شگون اور دنوں اور اوقات میں تاثیر کی بنیاد پر بعض دنوں میں کوئی تقریب نہ کرنا اصل میں ہندؤں سے ہمارے ہاں بھی آ گئے ہیں۔

یہ ہیں کچھ اخلاقی قدریں اور ان کے متضاد روحانی روگ جن کے لئے انسان کو مراقبہ کرتے رہنا چاہئے اور اخلاق حسنہ پر رہ کر زندگی گزارنے کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہئے اور ذائل اخلاق سے شعوری طور پر بچنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنی چاہئے۔

انقلابی کارکنوں کے اوصاف

اسلامی انقلاب کے لئے جو اوصاف درکار ہیں وہ وہی ہیں جو دین اسلام اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے۔ان میں سے چند کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں تا کہ تذکیر کا سامان ہو سکے۔

سب سے اہم وصف جو دین اسلام انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے وہ ہے نظریاتی وسعت اس کائنات اور اللہ کی مخلوق کے بارے میں اسلام انسان کو ذات، خاندان، برادری، نسل و وطن کے محدود تصورات سے نکال کر پوری انسانیت کا فرد بنانا چاہتا ہے تا کہ دنیا میں عدل وقسط قائم ہو اور انسان پوری مخلوق کو اپنے مالک کا کنبہ سمجھ کر ان کے ساتھ حسن وسلوک سے پیش آئے اور آپ ﷺ کا فرمان (اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰہِ وَاَحَبُّ الناسِ أَحْسَنُهُمْ إِلٰى عَيَالِهٖ) مخلوق اللہ کا کنبہ اور اللہ کو محبوب ترین وہ شخص ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ نیک سلوک کرنے والا ہو اور جو کوئی دنیا میں فساد برپا کرنا چاہے یا ذاتی لحاظ سے ظلم کا ارتکاب کرے اس سے نفرت پیدا ہو اور اس ظلم کو ختم کرنے کا جذبہ اسے ذاتی قربانی پر آمادہ کرے۔

قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کی شان بھی یہی ہے کہ وہ قائماً بالقسط ہے اور انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد بھی دنیا میں عدل وقسط کو قائم کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی وصف جو قرآن مجید نے نمایاں کیا ہے وہ رافت ورحمت ہے۔آپ کی رافت ہے جس کا ذکر یوں کیا گیا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَهُمْ وہ رسول کہ عزیز علیه ماعنتم بیان ہوا ہے اور رحمت کے لحاظ سے تو وہ رحمت اللعالمین قرار پائے۔

یہی رأفت ورحمت کا جذبہ جب آفاقی بن جائے تو دنیا کے علائق اور رشتہ داریوں کے دائروں سے انسان کو نکال دیتا ہے اور صرف خالق کائنات کا غلام بنا دیتا ہے پھر بقول علامہ اقبال

تا عصائے لا اِلہ داری بدست، ہر طلسم خوف راخواہی شکست

ہر کہ در اقلیم لا اباد شد فارغ از بند زن و اولاد شد

می کنند از ماسوی قطع نظر، می نہد سا طور برحلق پسر

اور پھر انسانیت کے لئے خیر خواہی اور عدل قسط اس کا ہدف بن جاتا ہے وہ انسانوں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور جو اس کے بس میں ہو اسے کر گذرتا ہے اور یہی مثال ہے جو چھوڑی ہے ہماری رہنمائی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔

اور اس کو بیان کیا تھا حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے

لَقد اُرسلنا لنخرج الناسَ من ظلمات الجهالة الى نور الاسلامِ و من جور الملوك الى عدل الاسلام۔

اور اس کو انفرادی سطح پر سمجھایا ہے ایک پنجابی شاعر نے

کدے کوئی روندا ھسایا ای دس کھاں

کدے کوئی روٹھا منایا ای دس کھاں

کدے کوئی ڈگا اٹھایا ای دس کھاں
کدے کوئی رڑھدا بچایا ای دس کھاں
جے ہتھیں نیں پھٹ کسے دا توں سیتا
تے نری مالا پھیری اے ککھ وی نیں کیتا

اس وصف کی مثالیں آپ کوملیں گی انبیاء ورسل کی زندگی میں۔ بعثت سے پہلے بھی اور بعثت کے بعد تو یہ فرض منصبی قرار پایا تھا۔ آنحضور کاتعلق غلاموں کے ساتھ، بیواؤں کے ساتھ جس کا ثبوت ملتا ہےحضرت خدیجہؓ کےاس قول سے جوانہوں نےفرمایا تھا۔پہلی وحی پر خوف اورڈر کےموقع پر۔

انبیاءورسل اورداعیان انقلاب کی زندگیوں میں یہ چیز بدرجہ اتم آپ کونظرآئے گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بعثت سے پہلے بھی اسی حیثیت میں گذررہی تھی جس کا ثبوت حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا وہ فرمان کہ جب آپ پر پہلی وحی نازل ہونے پرخوف کی کیفیت طاری ہوئی اورآپ گھرآئے اورفرمایا زملونی زملونی انی خشیت نفسی۔اس پرانہوں نےفرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔آپ تو غریبوں کے مددگار،یتیموں کےغم خوار اور بیواؤں کے سرپرست ہیں۔مہمان کی میزبانی کرتے ہیں۔حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔صلہ رحمی کرتے ہیں۔

وہ واقعہ تو تاریخ میں موجود ہے کہ ایک مفلوک الحال قافلہ کودیکھ کرکس قدر غمگین ہوئے کہ حضرت خدیجہؓ نے پوچھ لیا کہ کیابات ہےآپ ایسے پریشان ہیں۔ جب آپ نے قافلہ والوں کا حال بیان کیا تو انہوں نے اپنی ساری پونجی آپؐ کےحوالے کردی اور اس پر قریش کے سرداروں کو گواہ بنایا۔ یہ اتنی اشرفیاں تھیں کہ آپؐ فرماتے ہیں میں اس ڈھیر کے پیچھے بیٹھے ہوئے چھپ گیا۔لیکن یہ دولت کہاں گئی۔اپنے آرام وآسائش میں صرف ہوئی یاصرف خدمت خلق میں۔

پھر دیکھا جائے تو دنیا میں جتنے انقلاب آئے ہیں ان میں جذبہ محرکہ یہی انسانی ہمدردی ہی تو ہوتی ہے کہ لوگوں کومصائب میں دیکھ کر کچھ لوگ اپنا آرام تج دیتے ہیں تا کہ دکھی انسانیت کی قسمت سنور جائے۔انقلاب فرانس کیوں آیااس لئے کہ لوگ بادشاہوں کے ظلم سے بچ جائیں۔انقلاب روس کی بھی اصل بنیاد تو یہی تھی کی غیر منصفانہ تقسیم دولت اوراجارہ داریاں ختم ہوں اورتمام وسائل من حیثیت القوم تمام انسانوں کے بھلے کے لئےصرف ہوں۔

کارل مارکس کی زندگی کا وہ واقعہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ جب اس کا بچہ بیمار ہوگیا اور قریب المرگ تھا کہ اس کی بیوی نے اسے احساس دلایا کہ اس کے لئے دوائی لاؤ۔ جب اس نے دوائی کے لئے رقم نہ ہونے کا کہا تو اس کی بیوی نے کچھ گھر کی بچت سے پیسے دیئےلیکن وہ یہ رقم کو لے کر پریس گیا اوراپنے فکرکو عام کرنے کے لئے دیا ہوا مواد لے کر جو رقم نہ ہونے کی وجہ سےنہیں چھپ رہا تھا لوگوں میں بانٹ دیا۔ بیوی نے طعنہ دیا کہ کیسے باپ ہو جو بچے کو بچانے کے لئے دوائی بھی نہیں لائے تو اس نے کہاتم ایک بچے کورورہی ہو میں تو ہزاروں بچے مرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جو اسی وجہ سے مررہے ہیں کہ ان کے والدین کے پاس ان کےعلاج کے لئے پیسےنہیں ہیں۔

اوریہی فرض منصبی ہے۔اس امت کا ہے:

کونوا قوّٰمین بالقسط شهداء لِلّٰہِ اور کنتم خیر اُمَّۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون من المنکر

اصل میں جب سے دین مذہب بن گیا ہے مراسم عبودیت کی فضیلت ہی بیان کی جاتی ہے اور وہ اتنی بڑھا دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا اصل مقصد حیات تو بالکل ناپید ہوگیا ہے اور انفرادی طور پر بھی انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے گروہوں کی تقسیم بھی اصل میں مذہب کی بنیاد پر ہوگئی ہے اور اس کے نتیجے میں جاہلی عصبیتیں اجاگر ہورہی ہیں۔ وگرنہ جب تک اسلام دین تھا اصل مقصد پوری انسانیت کی فلاح تھا اور اللہ کے ہاں ان اعمال کی قدر و قیمت ہی اصل ایمان تھا۔ چنانچہ آپؐ سے پوچھا گیا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہُ عَنْهُمَا اَنَّ! رَجُلاً جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَيُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ وَاَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ وَاَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ سَرُوْرٌ يُدْخِلُهٗ عَلٰى مُسْلِمٍ اَوْيُكْشَفُ عَنْهُ كُرْبَةً اَوْيُقْضَ عَنْهُ دَيْناً اَوْتُطْرَدَ عَنهُ مُجَّعاً وَلَاِنْ اَمْشِيْ مَعَ اَخٍ فِيْ حَاجَتِهٖ اَحَبُّ اِلَيَّ مَنِ الْعْتَكَفَ فِيْ هَذَ الْمَسْجِدِ شَهْراً وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ سَتَّرَ اللهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَظَمَ غَيْضَهٗ وَلَوْشَاءَ اَنْ يَّمِيضَهٗ اَمْضَاهُ مَلَا اللهُ قَلْبَهٗ رِجَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَشٰى مَعَ اَخِيْهِ فِيْ حَاجَتِهٖ حَتّٰى تَتَهَيَّا لَهٗ اَثْبَتَ اللهُ قَدَمَهٗ يَوْمَ تَزُوْلُ الْاَقْدَمُ وَاَنَّ سُوْءَ الْخُلْقِ يَفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يَفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ (طبرانی)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ۔ انسانوں میں کون سا انسان اور اعمال میں کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو دوسرے انسان کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اللہ جل شانہ کو وہ عمل سب سے محبوب تر ہے جو کسی مسلمان کی خوشی کا سبب ہو یا اس کی کسی تکلیف کو دور کرنے والا ہو۔ یا اس کے قرض کی ادائیگی ہو یا کسی مذاق یا بےعزتی کرنے والے کو دھتکارے اور (پھر آپؐ نے فرمایا) بےشک (میرا امتی) جب کسی بھائی کی حاجت پوری کرنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے تو وہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اس امتی سے جو اس (یعنی میری) مسجد میں ایک ماہ کا اعتکاف کرے اور جو کوئی اپنے غصے کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اگر کوئی اپنے غصے کو پی بجائے حالانکہ وہ غصہ نکالنے پر قادر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اس کی امیدوں سے قیامت کے دن بھر دیں گے اور جو کوئی کسی بھائی کی حاجت روائی میں اس کے ساتھ چلتا ہے یہاں تک کہ اس کی حاجت پوری ہوجائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے پاؤں جما دیں گے جس دن کہ انسانوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے۔ اور بداخلاقی تو انسان کے اعمال کو ایسے بگاڑ دیتی ہے جیسے شہد کو سرکہ۔''

اس کام کے لئے ذاتی زندگی میں ایثار و قربانی کی ضرورت ہے اور افضل ترین ایمان بھی یہی ہے کہ انسان کا اخلاق بہترین ہو۔ یہ سب کچھ تبھی ہوسکتا ہے جب اس دنیا کے مال و اسباب کی بے بضاعتی اور اس سے بے رغبتی پر پختہ یقین پیدا ہوجائے۔ جیسے فرمایا گیا ﴿فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَاللهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (شوریٰ) جو کچھ بھی دیئے گئے ہو (خواہ کتنا ہی زیادہ ہو) وہ بس دنیاوی زندگی میں برتنے کا سامان ہے اور جو اللہ کے ہاں ہے وہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان کے لئے جو ایمان لے آئیں اور اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ اور فرمایا بندۂ مؤمن نے جو آل فرعون میں سے ایمان لے آیا تھا۔ ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُالْقَرَارِ﴾ (مومن) اے میری قوم بےشک یہ دنیاوی زندگی تو برتنے کا سامان ہے اور آخرت کا گھر ہے ٹھہرنے کی جگہ۔

نیز فرمایا﴿اِنَّ وَعْدَاللّٰہِ حَق'' فَلَا تَغُرَّ نَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرِ﴾ (لقمان) بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے بس دھوکے میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیا کی زندگی اور دھوکے میں نہ ڈال دے تمہیں وہ بڑا دھوکے باز۔ اور جب تک تصور وہی نہ ہو جائے جو آپ نے فرمایا(و مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا مَثَلِیْ کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ۔ اور فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْب'' اَوْعابِرُ سَبِیْلٍ۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث قدسی میں لَوْ تَعْدَلُ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی کَافِراً فِیْھَا غُرْفَۃَ مَاءٍ) مجھے اس دنیا سے کیا سروکار میری مثال تو ایک سوار کی ہے جس نے کسی درخت کے سایہ میں آرام کیا اور پھر چل پڑا۔ دنیا میں ایسے رہو گویا تم پردیس میں ہو یا راہ چلتے مسافر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر یہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس کی قدر ایک مچھر کے پر جتنی ہوتو میں نہ ماننے والوں کو پانی کا گھونٹ بھی نہ دوں۔ یہی کیفیت ہے جو انسان کو پھر ایثار پر لاتی ہے اور وہ دوسروں کے لئے مصائب جھیلنے پر تیار ہو جاتا ہے اور پھر اگر انسان کا غم واقعی آخرت کا غم بن جائے اور وہ فیصلہ کرے وہ طالب دنیا نہیں ہے تو پھر ہی وہ ایثار کر سکتا ہے اور اپنا مال اور اپنی جان واوقات دوسروں کو بھلائی کے لئے خرچ کر سکتا ہے۔

اگر انسان یہ طے کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مَنْ کَانَتِ الْاٰخِرَۃُ ھُمَّہٗ جَعَلَ اللّٰہُ غِنَاءَ فِیْ قَلْبِہٖ وَجَمَعَ عَلَیْہِ شَمْلَہٗ وَ اتَتْہُ الدُّنْیَا وَ ھِیَ رَاغِمَۃ'' وَ مَنْ کَانَتِ الدُّنْیَا ھَمَّہٗ جَعَلَ اللہ فَقْرَہٗ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَ فَرَّقَ عَلَیْہِ شَمْلَہٗ وَلَمْ یَاتِہِ الدُّنْیَا اِلَّامَا قُدِّرَلَہٗ فَلَایَمْسِیْ وَلَا یُصْبِحُ اِلَّا فَقِیْرًا وَمَا اَقْبَلُ عَبْدُ'' عَلَی اللّٰہِ بِقَلْبِہٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰہِ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ تَنْقَادُ اِلَیْہِ بِالْوُدِّوَالرَّحْمَۃِ وَ کَانَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکُلِّ خَیْرٍ اِلَیْہِ اَسْرَعُ) (ترمذی) جو کوئی آخرت کو اپنا غم بنالے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء پیدا کر دیتے ہیں اور اس کے کام سمیٹ دیتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے اور جو شخص دنیا کو اپنا غم بنالے تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر لکھ دیتے ہیں۔ اور اس کے دکھ بکھیر دیتے ہیں اور دنیا اسے نہیں ملتی مگر اتنی ہی جتنی اللہ نے اس کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ وہ شام بھی کرتا ہے تو فقیری کی حالت میں اور صبح بھی کرتا ہے فقیری کی حالت میں جب کوئی انسان خلوص نیت سے اللہ کی طرف بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنین کے دل دوستی اور رحمت کے ساتھ اس کی طرف مائل کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر خیر کو اسے جلد عطاء کرتے ہیں۔

دنیا وآخرت کے بارے میں یہ یقین تبھی قائم رہ سکتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ سے جڑا رہے اور اس کے لئے شرط ہے۔

تعلق مع اللہ

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ وہ لوگ (عقل مند ہیں) جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے پہلو کے بل اور پھر غور وفکر کرتے رہتے ہیں زمین وآسمان میں (اور پکار اٹھتے ہیں) اے اللہ تو اس کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ اور اس کا بہترین اور افضل ترین ذریعہ ہے قرآن مجید۔ اور وہ بھی تہجد کی نماز میں ﴿وَتَھَجَّدْبِہٖ نَا فِلَۃً لَّکَ﴾ اس قرآن مجید کے ساتھ تہجد کیجئے یہ آپؐ کے لئے زائد ہے۔ لیکن قرآن مجید وہی ذریعہ بنے گا یاد دہانی کا جو سمجھ کر پڑھا جائے۔ لا خَیْرَ فِیْ قِرَاءِ ۃِ الْقُرْاٰنِ لَیْسَ فِیْھَا تَدَبَّرٌ'' وَ عِبَادَۃُ'' لَیْسَ فِیْھَا فِقْہُ الْفِقِیْہٖ (قول حضرت علیؓ) اس قرآن کے پڑھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں تدبر نہ ہو اور اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے جو کچھ سوچ کر نہ کی جا رہی ہو۔

نماز باجماعت

تعلق مع اللہ کی دوسری صورت جو جامع ترین ہے وہ ہے نماز باجماعت ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةِ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اورفرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتَاباً مَوْقُوْتاًO﴾ پڑھتے رہئے جو کتاب آپ کی طرف نازل کی جارہی ہے اور نماز کو قائم رکھئے بے شک نماز روک دیتی ہے بے حیائی اور بُرے کاموں سے اور اللہ کی یاد ہی سب سے بڑی چیز ہے۔اور بے شک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

اذکار مسنونہ

تیسرا ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ہے اذکار مسنونہ انسان کو چاہئے اپنے اوقات کار میں بھی غفلت سے بچا رہے اور مختلف اذکار کو معمول بنالے۔

1- استغفار۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ میں ستر بار سے بھی زائد استغفار کرتا ہوں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔ میں اللہ سے معافی کا طالب ہوں جس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ وہ الحی القیوم ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

2- اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے زبان تروتازہ رہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور کسی میں کوئی طاقت اور قدرت نہیں مگر اللہ کے ساتھ۔پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ اور پاک ہے اللہ بہت عظمت والا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود واسلام بھی بہترین اذکار میں سے ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

ادعیہ ماثورہ

انسان کو غفلت سے بچانے کا ایک ذریعہ ادعیہ ماثورہ بھی ہیں کہ ہر کام کرتے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔اٹھتے بیٹھتے کھانا کھاتے وقت، مسجد میں آتے جاتے، گھر سے نکلتے سواری پر بیٹھتے اترتے۔حتیٰ کہ بازار میں جاتے اور سوتے جاگتے۔دعائیں پڑے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہوتا رہے اور یاد بھی تازہ رہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق انسان کو ایک طرف کبائر سے بچائے گا اور دوسری طرف اپنے ذاتی اور اجتماعی فرائض جو اس پر عائد ہوتے ہیں ان پر قائم رکھے گا۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے فرائض ادا کرنے کی جدوجہد میں تم کبائر سے بچتے رہو گے تو میں صغیرہ گناہوں کو دور کرتا رہوں گا۔ ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلاً كَرِیْماًO﴾ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جارہا ہے بچتے رہو گے تو تمہاری برائیاں ہم دور کردیں گے اور تمہیں عزت والا مقام عطا کریں گے۔

ظلم کے خلاف جہاد کے لئے اجتماعی قوت کی فراہمی

جب بھی کسی جگہ ظلم آتا ہے تو اس کو تحفظ دینے والے ادارے وجود میں آجاتے ہیں۔ باطل نظام کو بدلنے کے لئے اجتماعی قوت درکار ہوتی ہے۔ اس لئے کسی جماعت سے التزام لازم ہے۔ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْھِجْرَةِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں کہ التزام جماعت کرو اور جماعتی زندگی میں بات سنو اور اطاعت کرو اور ہجرت اور جہاد پر عمل پیرا ہو۔ اَعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ انسان کا اپنے آپ کو کچھ سمجھ بیٹھنا۔ سے بچنا اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ انسان واقعی اپنے آپ کو نظم کا خوگر بنائے۔ اور اس جدوجہد میں اجتماعی طور پر اپنی صلاحتیں لگائے تاکہ ظلم ختم ہو کر عدل قائم ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ امۃ کے وجود میں آنے کے بعد تمام فرائض اور احکام اجتماعی طور پر ادا کرنے لازم قرار پائے اور آپ نے فرمایا

عن عمر علیکم بالجماعة و ایاکم والفرقه فان الشیطٰن مع الواحد و هو من الاثنین ابعد من اراد بَحْبُوحَةَ الجنة فلیلزم الجماعة ۔ رواه الترمذی

بندہ مومن پھر کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اور آپے سے باہر نہیں ہوتا اور سارا وقت لگاتا ہے۔

مسابقت الی الخیر

معاشرے میں باقی جماعتیں بھی دعوت دے رہی ہیں اس لئے ان سے بڑھ کر وقت لگانا ہوگا۔ خلوص زیادہ ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو تمام دنیا میں پورا کرنے کے لئے نظریہ کی اشاعت اور مال کا انفاق مطلوب ہے۔ حرکت جماعت اسلامی والی ایثار اور وقت کی قربانی تبلیغی جماعت والی اور خلوص وللّٰہیت صوفیاء والی درکار ہے۔

اور تمام باتوں کی ایک بات (Last but not least) یہ ہے کہ اس دنیا کی کشتی میں تو سوار ہو کر سفر کرنا ہے۔ اور پھر دامن کو بچانا ہے کہ دامن تر نہ ہونے پائے اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اچھی طرح سمجھ لے۔ اگر اس نے تہیہ کرلیا ہے کہ اب مجھے اللہ کا بندہ بن کر جینا ہے اور مندرجہ بالا تمام اوصاف کا مصداق بننا ہے تو لازم ہے کہ وہ اس کے حوالے کچھ حقائق کو سامنے رکھے۔ اگر اس نے دعوت دین کے لئے وقت نکالنا ہے تو لازماً اس کے آمدن کے ذرائع کے لئے اوقات کار میں کمی آئے گی۔ ہوسکتا ہے اسے پارٹ ٹائم چھوڑنا پڑے۔ اوور ٹائم کم کرنا پڑے۔ اگر بغرض اس کی آمدن میں کوئی ناجائز ذرائع ہیں تو ان کو ترک کرنا پڑے گا۔ نتیجتاً اس کی آمدن زیادہ نہیں ہوگی بلکہ ہوسکتا ہے اس میں کچھ کمی ہو۔ لیکن مہنگائی تو اس کے بس میں نہیں اور وہ تو آج کل جیومیٹریکل پروگریشن کے حساب سے بڑھتی ہے۔ پس اس کا سارا اختیار اخراجات کی مد میں کمی بیشی پر ہوگا۔ لامحالہ اسے ان کو کم کرنا پڑے گا و گرنہ گزارہ مشکل ہوگا اور روز گھر میں لڑائی جاری رہے گی۔ اس کے لئے آج کل کے دور میں ہر بندۂ مسلم کو تین باتوں پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر واقعی جازم ہوجائے تو بڑی سہولت سے وہ اس معاملہ کو قابو میں رکھ لے گا۔ آپ کا فرمان ہے الاقتصادُ فی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ

ا۔ داڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا ترشوانا

اگر پہلے سے داڑھی نہیں ہے تو فوراً التزام کیجئے۔ ان شاء اللہ بہت سی بُری محفلیں چھوٹ جائیں گی۔ اور اگر پہلے سے ہے اور چھوٹی اور رواجی ہے تو اسے بڑھائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ سنت کا اہتمام ہے اور صرف شعائر دین اسلام ہے۔

۲۔شرعی پردے کا اہتمام

آج کل ہمارے اخراجات کا بیشتر حصہ صرف مخلوط قسم کے پروگراموں کی وجہ سے ہے۔عورتوں کو خاص کر اپنے لباس اور زیور دکھانے کے لئے اور مردوں کو نظری حظ اٹھانے کے لئے بار بار کچھ محفلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مقصد تھوڑی دیر کا غل غپاڑہ اور بڑائی کا تاثر ہوتا ہے۔اکثر و بیشتر اپنے سٹیٹس اور دولت کے اظہار کے لئے بعض تقریبات کا بندوبست ضروری سمجھا جاتا ہے۔اگر آپ اپنے گھر شرعی پردے کا اہتمام شروع کر دیں گے تو یہ محفلیں خود بخود ہی ختم ہو جائیں گی اور بے کار اخراجات ختم ہو جائیں گے۔ویسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے اِسْتَعِيْنُوْا عَلَى النِّسَاءِ بِالْعُرَاءِ فَإِنَّ اِحْدَا هُنَّ اِذَا كَثُرَتْ ثِيَا بُهَا وَ اَحْسَنَتْ زِيْنَتُهَا اَعْجَبَهَا الْخُرُوْ جُ (عدی بن کامل عن ابن عمرؓ) عورتوں پر مدد حاصل کرو ان کو ننگی رکھ کر ان میں سے کسی کے جب کپڑے زیادہ ہوں اور زینت کا سامان بہت اچھا ہو تو اسے باہر نکلنا بہت بھاتا ہے۔عورتوں میں اپنے زیورات اور کپڑے کی نمائش سے اپنی قدر و قیمت کا احساس دلانا مطلوب ہوتا ہے۔اگر مخلوط محفلیں نہ ہوں تو یہ جذبہ مانند پڑ جاتا ہے اور تھوڑے لباس پر بھی اکتفا کر لیا جاتا ہے۔

رسومات

ہمارے معاشرے میں اکثر و بیشتر ناجائز قسم کی رسومات جاری ہیں اور بہت سے لوگوں کی تو زندگی کا مقصد ہی ان رسومات کے لئے کمانا اور پھر اس کا بھرپور استعمال کر کے اپنی وقعت پیدا کرنا ہو گیا ہے۔اگر آدمی طے کر لے کہ صرف ان رسومات پر اکتفا کرنا ہے جو مسنون ہیں اور قرون اولیٰ میں رائج تھیں تو تھوڑی کمائی میں بھی اچھا گزارا ہو جاتا ہے اور ویسے ان رسومات کا تعلق تبذیر سے ہے جو عمل شیطان ہے اور ہمارے معاشرے میں حسد و بغض اور ایک دوسرے پر تفوق ظاہر کرنے کا جذبہ اسی سے تسکین پاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سے بچا لے تو زندگی میں واقعی غناء آ جاتا ہے اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔پھر دینی کاموں کے لئے وقت بھی نکل آتا ہے اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دین کے غلبہ کے لئے مال کا انفاق بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اور اگر انسان کسی کام میں مال نہ لگائے تو جان کے لگانے کی نوبت نہیں آتی۔اسی لئے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ذرائع جہاد کا ذکر ہے تو پہلے انفاق مال ہے اور پھر بذل نفس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ قول تو کتنی حقیقت پر مبنی ہے کہ آسمان پر جمع کرو جہاں نہ چور کا ڈر ہے اور نہ کیڑے کا اور میں کہتا ہوں کہ جہاں تمہارا مال ہو گا وہاں تمہارا دل ہو گا۔

یہ چند گزارشات ہیں جن کا التزام ہی انسان کو دین کے تقاضے پورے کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔وگرنہ باطل نظام کا جو پریشر ہے وہ انسان کو متاثر کرتا ہے اور انسان کے لئے استقامت مشکل ہو جاتی ہے اوپر والے تین نسخے استعمال ہوں تو وقت گزاری ممکن ہے اور آخرت کے لئے کچھ بچت وگرنہ صرف معاملہ قیلٌ وقال تک رہے گا اور بالفعل کچھ نہیں ہو پائے گا۔

حلقہ ہائے قرآنی

مقصد: حلقہ ہائے قرآنی دعوت کا ذریعہ نہ کہ مقصد دعوت

۱۔ نصاب: دورہ ترجمہ قرآن، سلسلہ وار درس قرآن، منتخب نصاب

۲۔ ذرائع: ویڈیو، مدرّس

۳۔ مقام: رہائش گاہ احباب و رفیق تنظیم، مسجد، مرکز مقامی تنظیم یا موبائیل

۴۔ علاقہ: ترجیحاً اُسرہ کی سطح پر/ہر رفیق کی سطح پر

۵۔ تواتر: ترجیحاً ہفتہ وار

۶۔ دورانیہ: ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ

۷۔ شرکاء: ترجیحاً رفقاء کے زیر دعوت احباب/رفقاء اُسرہ اور دیگر

۸۔ تعداد: زیادہ سے زیادہ ۱۲۵ افراد (زیادہ کی صورت میں اُسرہ کی سطح پر دوسرے حلقہ کا اہتمام)

۹۔ طریقہ کار: ا۔ ترجیحاً درس کے بعد چائے یا کھانے کا اہتمام

ب۔ جہاں تک ممکن ہو پروگرام کی جگہ بدلتی رہے۔

مقامی تنظیم کی سطح پر

ناظم دعوت (مقامی تنظیم) کی ذمہ داری اِن حلقہ ہائے قرآنی کی نگرانی، اِن کو منظّم و مؤثر بنانا جیسے کہ

۱۔ مدرس کا اہتمام/ویڈیو کے لئے مواد کا اہتمام

۲۔ نصاب کا تعین و جائزہ

۳۔ احباب کی شرکت کا جائزہ

۴۔ تواضع میں معاونت

۵۔ تعداد مطلوبہ ہدف سے زیادہ ہونے پر تقسیم حلقہ ہائے قرآنی

۶۔ نئے حلقہ ہائے قرآنی کی تشکیل

۷۔ معلومات کا ذخیرہ

اُسرہ کی سطح پر

۱۔ کسی ایک رفیق کو پروگرام کا معاون مقرر کرنا۔

۲۔ احباب کو مدعو کرنا

۳۔ چائے کے وقفے/درس کے بعد احباب کے ساتھ دوستی و بے تکلفی کا ماحول پیدا کرنا۔

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ
(انفرادی دعوت کا نظام)
اعزاء و اقارب
پہلا مرحلہ
تمسک بالقرآن
محنت کا مدار اول
(Loop)
No
دعوت رجوع الی القرآن
Yes
حلقہ جات قرآنی
ہدف
نصاب
ایمان باللہ، ایمان بالرسالت (رسولؐ و قرآن)، ایمان بالآخرۃ (انفرادی جوابدہی و اجتماعی تقاضے)
دوسرا مرحلہ
دعوت ایمان
محنت کا مدار دوم
(Loop)
No
تکمیل نصاب؟
ہدف
Yes
فہم دین
دین کا ہمہ گیر تصور (دین اور مذہب کا فرق)
فرائض دینی کا جامع تصور
التزام جماعت و بیعت
منہج انقلاب نبویؐ
دعوت دین
(Lcop)
مطمئن
غیر مطمئن
No
1- اعتراض / سوال
2- خاموشی
دعوت تنظیم
Yes
رفیق تنظیم
فریضۂ دعوت کی کس درجہ تکمیل

۴۔ احباب سے غیر رسمی ملاقاتوں کا اہتمام

۵۔ رفقاء کی با مقصد اور تحریکی شرکت

مجلس مشاورت

۱۔ مقصد: i) جائزہ

ii) تجاویز

۲۔ شرکاء: ناظم دعوت (مقامی تنظیم) اور نگران و معاونین ناظم دعوت (مقامی تنظیم)

۳۔ تواتر: سہ ماہی

۴۔ رپورٹ: ناظم دعوت (مقامی تنظیم) اپنی گذارشات مقامی امیر تنظیم کو پیش کرے گا۔

انفرادی دعوت

- ذاتی رابطہ
- کُتب
- CD / DVD
- تکمیل نصاب

دعوتی نصاب

الف۔ قرآن کی عظمت اور اُسکی بنیادی تعلیمات (ابوظہبی پروگرام) (MP3/VCD/A.Cassettes)

ب۔ کُتب لسٹ

۱۔ راہ نجات — ۲۔ ایمان کے ثمرات و مضمرات (سورۃ التغابن کی روشنی میں)

۳۔ قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں — ۴۔ سچا اُمتی کون

۵۔ دین و مذہب کا فرق — ۶۔ فرائض دینی کا جامع تصور

۷۔ جہاد فی سبیل اللہ — ۸۔ رسول ﷺ انقلاب کا طریق انقلاب

۹۔ اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت و اساس — ۱۰۔ تنظیم اسلامی ایک نظر میں

ج۔ متفرق

۱۔ اللہ تعالیٰ کا انسانوں اور اہل ایمان سے مطالبہ (کتاب)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے واحد مطالبہ (ACD/A.Cassette)

۳۔ عبادت، شہادت، اقامت (MP3/VCD/A.Cassette)

فہم دین

مقصد: دعوت فکر تنظیم (ایک ہی نشست میں جامعیت کے ساتھ)

۱۔ نصاب:

❁ دین و مذہب کا فرق ❁ فرائض دینی کا جامع تصور ❁ منہج انقلاب نبوی ❁ اجتماعیت کی اہمیت

۲۔ ذرائع: لیکچر بذریعہ مدرس (ترجیحاً بورڈ کا استعمال)

۳۔ مقام: ترجیحاً رہائش گاہ رفیق یا مرکز مقامی تنظیم

۴۔ تواتر: کم از کم مہینہ میں دو۔ (بقدر ضرورت اضافی کا اہتمام)

۵۔ دورانیہ: ۲ گھنٹہ (لیکچر مع سوال و جواب)

۶۔ شرکاء: الف۔ تین/چار احباب

ب۔ PRESENTER (مدرس)

ج۔ ملتزم رفیق ❁ زیر تربیت PRESENTER (مدرس)

د۔ مبتدی رفیق ❁ فکری تربیت اور فکر کے بارے میں انشراح صدر

۷۔ طریقہ کار:

❁ ترجیحاً فہم دین پروگرام سے پہلے سنت کے مطابق کھانے کا اہتمام

❁ پہلے ۴۰ منٹ میں دین و مذہب کا فرق اور پھر اس ضمن میں سوالات

❁ اِسلام کے ہمہ گیر تصور دین سے اتفاق کے بعد ۲۵ منٹ میں فرائض دینی کا جامع تصور

❁ آخر میں شرکاء سے سوال و جواب/افہام و تفہیم

مقامی تنظیم کی سطح پر

ذمہ داریاں ناظم دعوت (مقامی تنظیم)

۱۔ فہم دین کا انعقاد

۲۔ مدرسین کی فراہمی

۳۔ نقباء کو یاددہانی اور Follow Up

۴۔ مدرس (Presenter) کے ذریعے احباب کے تاثرات

۵۔ مطمئن احباب کو دعوت تنظیم اِسلامی کا اہتمام

۶۔ فہم دین میں شرکت کرنے والے احباب کے ریکارڈ کا ذخیرہ

۷۔ اہداف کا جائزہ

۸۔ ماہانہ بنیاد پر مقامی امیر کو رپورٹ پیش کرے گا

اُسرہ کی سطح پر

ہر اُسرے کا نقیب فہم دین کے لئے احباب کو نامزد کرے گا۔ یہ احباب وہ ہوں گے جو ترجیحا

۱۔ کسی حلقہ قرآنی میں شامل ہوں یا
۲۔ فکر تنظیم کے ایک معین شدہ نصاب سے گزر چکے ہوں یا
۳۔ فکر تنظیم سے ہم آہنگی یا واقف ہوں
۴۔ دیگر دینی جماعتوں کے کارکنوں کے ساتھ خصوصی فہم دین

دعوت تنظیم

۱۔ مقصد: دعوت تنظیم اسلامی
۲۔ طریقہ کار: انفرادی طور پر حبیب کے پاس جا کر
۳۔ شرکاء: رفیق (داعی) + (مقامی امیر / مدرس / ناظم دعوت / نقیب اُسرہ)

انفاق فی سبیل اللہ

مفہوم:

☆ انفاق کے معنی ہیں کسی شے کو خرچ کرنا یا کھپا دینا۔ جب یہ خرچ اللہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کسی کارِ خیر کے لئے کیا جاتا ہے تو اسے انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ وسیع مفہوم میں انفاق صرف مال خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہر اس شے کو خرچ کرنے کے لئے آتا ہے جس پر انسان کو اختیار حاصل ہو۔ گویا مال کے علاوہ جسمانی صلاحیت، اولاد، املاک وغیرہ کو اللہ کی راہ میں لگانا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿**وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ**﴾ ''اور خرچ کرو ہر اس شے میں سے جس پر تمہیں عارضی اختیار دیا گیا ہے۔'' (الحدید: 7)

اقسام:

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے دو مدات ہیں:

i- صدقہ: بندوں کی احتیاج پوری کرنے کے لئے مال خرچ کرنا
ii- قرض حسنہ: اللہ کے دین کی تبلیغ اور غلبے کے لئے مال خرچ کرنا

سورہ حدید آیت 18 میں ان مدات کا ذکر اس طرح سے ہے:

﴿**اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ**﴾ ''بے شک جو صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی خواتین ہیں اور جو لوگ اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے ہیں، دو چند کر دیا جائے گا اُن کے لئے اِس (انفاق)

کواوراُن کے لئے عزت کا صلہ ہے۔''(الحدید:19)

اھمیت:

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے حوالے سے چند نکات حسب ذیل ہیں:

☆ انفاق فی سبیل اللہ قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے:

﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ ''اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کو اللہ کی قربت اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں، بلاشبہ وہ اُن کے لئے قربت کا باعث ہے۔''(التوبہ:99)

اللہ کی قربت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب دل سے مال اور دیگر علائق دنیوی کی محبت نکل جائے، بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ:

ہر تمنا دل سے رُخصت ہو گئی　　　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

☆ انفاق نیکی کا اولین ولازمی مظہر ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ﴾

''نیکی صرف یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور رسولوں پر اور محبت کے باوجود مال دیا رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنوں (کے آزاد کرانے) میں۔''(البقرۃ:177)

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ''(مومنو!) جب تک تم اُن چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔''(آل عمران:92)

☆ انفاق منافقت کا علاج ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۹) وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۰) وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۱)﴾

''مومنو! کہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہا کرو اس سے پہلے کے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا؟ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔''(المنافقون:9 - 11)

☆ انفاق ہلاکت سے بچنے کا ذریعہ ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''(البقرۃ:195)

انفاق کرنے کی دعوت :

☆ قرآنِ حکیم میں 16 بار انفاق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس حوالے سے چند آیات تحریر کی جاتی ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾

''اے ایمان والو جو (مال) ہم نے تمہیں دیا اُس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی تجارت کام آئے گی، نہ کوئی دوستی اور نہ ہی کوئی سفارش۔'' (البقرۃ:254)

﴿وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''سنو اور اطاعت کرو (اے مومنو) اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ (یہ) بہتر ہے تمہارے حق میں اور جو شخص جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (التغابن:16)

﴿ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ ''(اے نبیؐ!) میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے در پردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی)۔'' (ابراہیم:31)

انفاق کرنے کے لئے پکار :

☆ قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر جھنجھوڑنے کے اسلوب میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا:

﴿وَمَا لَـكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے۔'' (الحدید:10)

﴿مَنْ ذَاالَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

''کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اُس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اُسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' (البقرہ:245)

﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''اُن کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ نے اُن کو دیا تھا اُس میں سے خرچ کرتے۔'' (النساء:39)

ہر حال میں انفاق کرتے رہنا چاہیئے :

☆ خوشحالی اور تنگدستی میں انفاق کرنا:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''(متقین وہ ہیں) جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔'' (آلِ عمران:134)

☆ رات دن اور پوشیدہ وظاہر انفاق کرنا:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کا صلہ اللہ کے پاس ہے اور اُن کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' ﴾ (البقرہ:274)

☆ نبی اکرمؐ نے اپنے کئی ارشادات میں ہر حال میں انفاق کی ترغیب دی ہے:

—— ''حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا: ''تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنومت اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا لہٰذا تھوڑا بہت کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے اللہ کی راہ میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔'' (متفق علیہ)

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ صدقہ سب سے افضل ہے جو تم اس زمانے میں دو جبکہ تم تندرست ہو اور ایسا نہ کرو کہ جب تمہاری جان حلق میں آ جائے اور تم مرنے لگو تب تم صدقہ کرو اور کہو کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا اس لئے کہ اب تو وہ فلاں کا ہو ہی چکا۔'' (متفق علیہ)

دین کی مغلوبیت کے دور میں انفاق کی فضیلت :

☆ دین کی مغلوبیت کے دور میں انفاق کرنے والوں کا اجر غلبۂ دین کے بعد انفاق کرنے والوں سے زیادہ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾

﴿تم میں سے جس نے فتح سے پہلے انفاق کیا اور جنگ میں شرکت کی (اور جس نے یہ کام بعد میں کئے) برابر نہیں، اِن لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں انفاق کیا اور جنگ میں شریک ہوئے۔﴾ (الحدید:10)

انفاق کی حد :

☆ قانونی اعتبار سے انفاق کی کم از کم حد زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

☆ اخلاقی اعتبار سے انفاق کی حد یہ ہے کہ ضرورت سے زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ''وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کتنا مال خرچ کریں تو کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔'' (البقرہ:219)

☆ درمیانی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی انفاق کیا جائے۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

—— ''یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (مستحقین) کا حق ہے۔'' (ترمذی)

—— ''ایک آدمی میدان میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے گھرے ہوئے بادلوں میں کسی کو یہ کہتے سُنا، ''اے بادل! فلاں شخص کے باغ کو جا کر سیراب کر!'' تو وہ بادل ایک طرف کو گیا اور سیاہ مٹی والی پہاڑی زمین میں اس بادل نے اپنا سارا پانی انڈیل دیا۔ وہاں ایک نالا تھا، اس نے سارا پانی اپنے اندر سمیٹ لیا اور بہہ نکلا۔ یہ مسافر پانی کے ساتھ ساتھ چلا۔ آگے چل کر دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچہ سے پانی کا رُخ موڑ رہا ہے تاکہ اپنے باغ کے درختوں کو سینچے، تو باغ والے سے اس مسافر نے پوچھا: ''اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟'' اُس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادلوں سے غیبی آواز سے سُنا تھا، باغ والے نے اس سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے میرا نام کیوں پوچھا؟'' مسافر نے کہا: ''میں نے بادل والے کو (یعنی اللہ کو) یہ کہتے سُنا کہ جا! فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر دے تو بتاؤ تم اپنے باغ میں کونسا ایسا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے اللہ کی یہ رحمت تم پر ہوئی؟'' باغ والے نے کہا: ''جب کہ تم یہ بات پوچھ بیٹھے ہو اور معاملہ سے واقف ہو گئے ہو تو میں بتاتا ہوں۔ اس باغ سے مجھے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں، ایک تہائی میں اللہ کے نام نکال دیتا ہوں،

ایک تہائی سے مَیں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں، اور ایک تہائی اسی باغ میں (سینچائی اور کھاد وغیرہ پر) لگا دیتا ہوں۔'' (مسلم)

انفاق کی روح :

☆ انفاق کی روح اخلاص ہے۔ انفاق کرنے کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا اور نجاتِ اخروی کا حصول ہونا چاہیئے :

﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ ''اور تم جو بھی انفاق کرو تو کرو اللہ کی خوشنودی کے لئے۔'' (البقرہ:272)

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴾ ''اور وہ جو بھی دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور اُن کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (المومنون:60)

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (۸) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا(۹) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴾

''اور وہ اس (اللہ) کی محبت کی خاطر محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکرگزاری، ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے احساس سے جو سخت اداس کر دینے والا ہے۔'' (الدھر:8 - 10)

☆ قرآنِ حکیم میں بار بار یہ حقیقت بیان کی گئی کہ انسان اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے لہٰذا اس کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں۔

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ﴾ ''اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح بھی خرچ کرو یا کوئی نذر پیش کرو تو اللہ بہر حال اُس کو جانتا ہے۔'' (البقرہ:270)

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾

''اگر تم خیرات ظاہراً دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہلِ حاجت کو تو وہ خوب تر ہے اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔'' (البقرہ:271)

☆ ارشادِ نبویؐ ہے:

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریمؐ نے فرمایا: سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ انصاف کرنے والا حکمران۔ وہ نوجوان، جو اللہ کی عبادت میں زندگی گزار رہا ہو۔ وہ آدمی، جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ وہ دو آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے باہم جمع ہوتے ہیں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جس کو منصب و جمال والی عورت دعوتِ گناہ دے اور وہ اس کے جواب میں کہہ دے میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جس نے اس طرح خفیہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہیں ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔'' (متفق علیہ)

انفاق کی حفاظت :

☆ حلال اور بہترین مال میں سے انفاق کیا جائے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾

''مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے خرچ کرو اور ردی مال دینے کا ارادہ نہ کرنا کہ اگر وہ مال تمہیں دیا جائے تو قبول نہ کرو سوائے چشم پوشی کرتے ہوئے۔'' (البقرۃ:267)

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔'' (مسلم)

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایک کھجور کی قیمت یا اس کے برابر کوئی چیز صدقہ کرے گا اور وہ حلال کمائی میں سے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ حلال کے سوا قبول نہیں فرماتا، تو اللہ تعالیٰ اس کے پاک صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا، پھر اس کو بڑھاتا رہے گا جس طرح تم اپنے جانوروں کی پرورش کرتے ہو اور بڑھاتے ہو یہاں تک کہ وہ تھوڑا سا صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جائے گا''۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

☆ احسان جتا کر، تکلیف دے کر اور دکھاوا کر کے انفاق کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾

''مومنو! اپنے صدقات احسان جتلا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو، اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، اُس (کے خرچ کردہ مال) کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کی بارش برس کر اُسے صاف کر ڈالے (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔'' (البقرۃ:264)

﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا﴾

''اور جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کے دکھانے کے لئے، وہ (درحقیقت) ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ ہی روزِ آخرت پر۔ (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ بُرا ساتھی ہے۔'' (النساء:38)

''فرمان نبویؐ ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ روز قیامت کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا جن میں سے ایک احسان جتلانے والا ہے۔'' (مسلم)

انفاق کا اجر و ثواب:

☆ قرآنِ حکیم میں 31 بار انفاق کرنے والوں کی تحسین کی گئی ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن (کے مال) کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (البقرۃ:261)

﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت یا کوئی وادی طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ اُن کیلئے (اعمالِ صالحہ میں) لکھ لیا جاتا

ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے۔'' (التوبہ: 121)

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ کَرِیْمٌ﴾ ''کون ہے جو اللہ کو (خلوص سے) قرض حسن دے تو وہ اس کو بڑھا کر لوٹائے اور اس کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔'' (الحدید: 11)

﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ﴾ ''اگر تم اللہ کو قرضِ حَسَن دو گے تو تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔'' (التغابن: 17)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ ''جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی نقصان دہ نہ ہوگی۔'' (فاطر: 29)

☆ نبی اکرمؐ نے اپنے کئی ارشادات میں انفاق کا اجر وثواب بیان فرمایا ہے:

—— ''ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے ابن آدم! تو اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔'' (متفق علیہ)

—— ''حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص سے اس طرح محاسبہ ہوگا کہ اللہ اور بندہ کے درمیان کوئی وکیل نہ ہوگا۔ وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کے عمل کے سوا کچھ اور نظر نہ آئے گا، پھر بائیں جانب دیکھے گا تو ادھر بھی سوائے اعمال کے کچھ اور نہ پائے گا، پھر وہ سامنے نظر ڈالے گا تو جہنم کو اپنے سامنے پائے گا۔ تو اے لوگو! آگ سے بچنے کی فکر کرو، اگر ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی تمہارے پاس ہو اُسی کو دے کر آگ سے بچو'' (متفق علیہ)

—— ''حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبویؐ کے منبر پر رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! جہنم کی آگ سے بچو۔ اگر تمہارے پاس ایک کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی ہو تو وہی دے کر آگ سے بچو اس لئے کہ صدقہ انسان کی کجی کو درست کرتا ہے، بری موت مرنے سے بچاتا ہے اور بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔'' (ترغیب)

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے دو فرشتے اترتے ہیں جن میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو اچھا عوض دے اور دوسرا بد دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخل کرنے والے کو تباہ کر دے'' (متفق علیہ)

—— ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے۔ حالانکہ اس کے لئے اس کے مال میں تین حصے ہیں، جو کھا لیا وہ ختم ہو گیا، جو پہن لیا وہ وہ بوسیدہ ہو گیا اور جو خرچ کر دیا (اللہ کی راہ میں) وہ اس نے (اللہ کے ہاں) جمع کر لیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اس کا نہیں ہے، اُسے تو وہ اپنے ورثہ میں لوگوں کے لئے چھوڑ جانے والا ہے۔'' (مسلم)

—— ''حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہؐ تشریف لائے اور) آپؐ نے دریافت فرمایا: ''بکری میں سے کیا باقی رہا؟'' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: ''صرف ایک دستی اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا)'' آپؐ نے فرمایا: ''اس دستی کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا دراصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے۔'' (ترمذی)

—— ''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور جب کوئی بندہ صدقہ کا مال

سائل کودینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہےتو سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔'' (طبرانی)

—— ''حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک صدقہ دینے والا اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا۔'' (مسند احمد)

—— ''حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے رب کے حوالہ سے یہ بات بیان فرمائی کی ''اے آدم کے بیٹے! تو اپنا خزانہ میرے پاس جمع کر کے مطمئن ہو جا، اسے نہ آگ لگنے کا خطرہ ہے، نہ پانی میں ڈوبنے کا اندیشہ اور نہ کسی چور کی چوری کا ڈر، میرے پاس رکھا گیا یہ خزانہ میں پورا پورا تجھے دوں گا اس دن جب کہ تو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔'' (طبرانی)

☆ حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ ہیں:

''اپنا مال زمین پر جمع نہ کرو، جہاں کیڑا بھی خراب کرتا ہے اور چوری کا بھی خوف ہے بلکہ آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے، نہ چوری کا خوف ہے اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جہاں تمہارا مال ہوگا وہیں تمہارا دل ہوگا۔''

انفاق نہ کرنے پر وعید:

☆ قرآنِ حکیم میں 12 بار انفاق نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۳۴) يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (اے نبیؐ)، جب وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اُس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔'' (التوبہ:34-35)

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (۱) نِ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾

''تباہی ہے عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ دینے والے کے لئے جو مال جمع کرتا ہے اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے۔'' (الھمزۃ :1 - 2)

﴿كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى (۱۵) نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى (۱۶) تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى (۱۷) وَجَمَعَ فَاَوْعٰى﴾

''بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، کھال ادھیڑ ڈالنے والی، اُن لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دینِ حق سے) اعراض کیا اور (مال) جمع کیا اور بند کر کے رکھا۔'' (المعارج:15- 18)

☆ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

—— ''ربِ کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جو بڑے دولت منداور سرمایہ دار ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔'' (متفق علیہ)

☆ — ☆ — ☆